علاج الحرص

(حرص کا علاج)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	انتخابِ مضمون	۹
۲	عورتوں میں حرص	۱۰
۳	اللہ تعالیٰ کے منعم ہونے کی دلیل	۱۱
۴	عورتوں کا مزاج	۱۱
۵	عورتوں کی خوبی	۱۲
۶	موت کسی کے قبضہ میں نہیں	۱۳
۷	طبیعتوں میں آب وہوا کا اثر	۱۴

۸	ایک عورت کی بدعقلی	۱۵
۹	حرص کا مقابل	۱۶
۱۰	عوام کو اقتدار کی خواہش	۱۷
۱۱	اپنی بساط سے زیادہ خواہش کا نقصان	۱۸
۱۲	شریعت کی تعلیم	۱۸
۱۳	مصیبت کا شرعی علاج	۱۹
۱۴	انسان کی خواہشات کی تمثیل	۲۰
۱۵	اہل اللہ کی راحت کا راز	۲۲
۱۶	حصولِ راحت کا ذریعہ	۲۳
۱۷	اُمّ الامراض	۲۴
۱۸	حُبِ دنیا کی حقیقت	۲۶
۱۹	ابنِ آدم کہنے کی وجہ	۲۷
۲۰	علاج میں خودرائی کا نقصان	۲۷

۲۱	عنوان کی غلطی	۲۸
۲۲	نیچریوں کی کم علمی	۲۹
۲۳	غلط ترجمہ وتفسیر	۳۰
۲۴	حرص کا نام ترقی	۳۱
۲۵	ازالۂ حرص کا غلط علاج	۳۲
۲۶	غلط خیال کی اصلاح	۳۳
۲۷	امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فراست	۳۴
۲۸	حرص کے مقتضاء پر عمل کا نقصان	۳۵
۲۹	جہلائے صوفیاء کی غلطی	۳۶
۳۰	وساوس کا حقیقی علاج	۳۷
۳۱	رفع اشکال	۳۷
۳۲	ایک اور سوال	۳۷
۳۳	رہبر کی ضرورت	۳۸

۳۴	ناقص پیر	۳۹
۳۵	حقیقتِ بیعت	۳۹
۳۶	حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کا قصہ	۴۱
۳۷	گناہ کے تقاضا پر عمل کا نقصان	۴۲
۳۸	بیعت ہونے سے لوگوں کی اغراضِ فاسدہ	۴۳
۳۹	روزِ محشر تمام انبیاء علیہم السلام کا سفارش کرنے سے انکار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارش کرنے کی وجہ	۴۴
۴۰	شیخ کا فائدہ	۴۵
۴۱	طریقِ سلوک میں مبتدی اور منتہی میں فرق	۴۶
۴۲	حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی مال و دولت سے بے رغبتی	۴۶
۴۳	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال	۴۷

۴۴	شبہ کا جواب	۴۸
۴۵	تقاضائے گناہ کے دور ہونے کی وجہ	۴۸
۴۶	حرص کا علاج	۴۹
۴۷	تعلق مع اللہ فطری ہے	۵۰
۴۸	عجب اور ناز کا علاج	۵۱
۴۹	حدیث میں مذکور مضامین	۵۱
۵۰	توجہ الی اللہ کی حقیقت	۵۲
۵۱	نماز کے بارے میں عورتوں کی کوتاہی	۵۳
۵۲	حقوق روزہ میں عورتوں کی بے احتیاطی	۵۳
۵۳	پردہ کے اہتمام کی ضرورت	۵۴
۵۴	عورتوں کو ذکر اللہ کی تاکید	۵۵
۵۵	عورتوں کے لئے مناسب ومفید تعلیم	۵۷

۵۶	مراقبۂ موت	۵۷
۵۷	ایک شبہ کا جواب	۵۸
۵۸	سفرِ حج میں تجارت کرنے کا حکم	۵۸
۵۹	شبہ کے دو جواب	۶۰
۶۰	خلاصۂ وعظ	۶۰

وعظ

علاج الحرص

(حرص کا علاج)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ اپنے وقف فرمودہ مکان میں بروز شنبہ ۹/شوال ۱۳۴۳ھ کو خواتین کی درخواست پر کرسی پر تشریف فرما ہو کر تقریباً پونے تین گھنٹے تک ارشاد فرمایا جس میں حرص کی مذمت بیان کی اور فرمایا کہ گناہ کو جی بھر کر کرنے سے اُس کو قوت ہوتی ہے ضعف نہیں ہوتا گو اُس وقت سکون ہو جائے بعض سالکین کو اس میں غلطی ہوتی ہے۔

اس وعظ میں مذکور مضامین عورتوں کو اور بعض سالکین کو بالخصوص مفید ہیں یہ وعظ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً چالیس مرد اور عورتیں پردہ میں ان کے علاوہ تھیں۔

خلیل احمد تھانوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وازواجہ و بارک وسلم۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ((لَوْ کَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِیَانِ مِنَ الْمَالِ لَابْتَغٰی ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَہٗ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ))

انتخابِ مضمون

یہ ایک حدیث ہے جس میں آدمی کی ایک خاصیت بیان کی گئی ہے جو تمام بنی آدم میں قریب قریب مشترک ہے (۱) کوئی اس سے بچا ہوا نہیں الا ماشاء اللہ اور بعض کے استثناء ہی کی وجہ سے قریب قریب کا لفظ کہا گیا ہے چونکہ یہ مرض ایسا عام ہے اسی لئے اس کو اختیار کیا گیا کیونکہ معمول یہ ہے کہ جب تک کوئی مضمون ضروری ذہن میں نہ آجائے اُس وقت تک بیان نہیں کیا جاتا اور اسی لئے اس بیان میں تاخیر ہوئی حالانکہ بیان کا وعدہ بہت دنوں سے ہو چکا تھا مگر اب تک کوئی خاص ضرورت کا مضمون ذہن میں نہ آیا تھا چنانچہ وعدہ کے بعد بھی میں گھر میں پوچھتا رہا کہ مستورات کو کس قسم کے مضمون کی زیادہ ضرورت ہے اور اُن میں کیا کیا عیوب زیادہ

---

(۱) تمام انسانوں میں تقریباً پائی جاتی ہے۔

ہیں چنانچہ انہوں نے کچھ ضرورتیں ظاہر کیں مگر کوئی اہم ضرورت خیال میں نہ آئی اور بات یہ بھی ہوگئی ہے کہ اب کوئی ضروری مضمون ذہن میں بہت کم آتا ہے کیونکہ پہلے تو اپنے عیوب پر نظر کر کے دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرلیا جاتا تھا کہ ان میں بھی یہ عیوب ہونگے اس لئے ضرورت جلدی سمجھ میں آجاتی تھی اور اب قیاس سے بھی کسی میں کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا اس لئے کوئی ضروری مضمون بھی سمجھ میں نہیں آتا اور یہ حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کیونکہ مخلوق کے عیوب پر نظر نہ ہونا فی نفسہ بڑی نعمت ہے اس لئے اب مجھے بعض دفعہ بیان کے لئے کئی کئی روز تک تردد رہتا ہے کہ کیا بیان کروں چنانچہ اس مرتبہ بھی کئی روز تک سوچتا رہا مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو پھر میں نے ایک کتاب ویسے ہی اپنے سامنے سے اٹھائی مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ وہ کونسی کتاب تھی اتفاقاً وہ سامنے رکھی تھی میں نے اٹھالی اور کھولنے سے پہلے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ بیان کے لئے کوئی ضروری مضمون اس میں نظر پڑ جائے اس کے بعد جو اُسے کھولا تو نظر کے سامنے سب سے پہلے یہ حدیث آئی میں بہت خوش ہوا کیونکہ واقع میں اس کا مضمون بہت ضرورت کا ہے خصوصاً عورتوں کی ضرورت کا۔

عورتوں میں حرص

کیونکہ عورتوں میں دنیا کے متعلق حرص بہت ہے ان کے یہاں اس کی کوئی حد ہی نہیں یہ بے ضرورت بھی بہت چیزیں جمع کرلیتی ہیں حتی کہ بعض دفعہ اتنی چیزیں جمع ہوجاتی ہیں کہ ان کو یاد بھی نہیں رہتا کہ ہمارے پاس کیا کیا ہے چنانچہ بعض چیزیں رکھی رکھی خراب بھی ہوجاتی ہیں اور یہ رکھ کر ایسی بھولتی ہیں کہ نام بھی نہیں لیتیں۔

اللہ تعالیٰ کے منعم ہونے کی دلیل

اور یہ بھول جانا جیسا کہ عورتوں کی حرص کی دلیل ہے کہ اتنا سامان جمع کیا تھا کہ یاد بھی نہ رہا ایسے ہی حق تعالیٰ کے منعم ہونے کی بھی دلیل ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اتنی نعمتیں دیں کہ ہم کو یاد بھی نہیں رہتا کہ ہمارے پاس کیا کیا چیزیں ہیں: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾(۱) کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ تم یاد سے نعمتوں کا احصاء نہیں کر سکتے اور ایک محمل اور ہے جو دل کو زیادہ لگتا ہے کہ ضرورت اور حاجت کی صفت سے تم اُس کا احصاء نہیں کر سکتے بلکہ بہت چیزیں تم کو بے ضرورت معلوم ہونگی واقعی بعض دفعہ اتنی چیزیں جمع ہوجاتی ہیں کہ انسان سوچنے لگتا ہے کہ ان کو کس کام میں لاؤں تو جیسا کہ اس سے خدا تعالیٰ کا منعم ہونا ظاہر ہوتا ہے ایسے ہی ہماری حرص بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ہم بے ضرورت بھی بہت چیزیں جمع کرتے رہتے ہیں جن کے لئے کوئی مصرف بھی ذہن میں نہیں آتا۔ یہ مادہ عورتوں میں خصوصاً زیادہ ہے۔

عورتوں کا مزاج

ان کے متعلق مولوی عبدالرب صاحب کا ایک لطیفہ ہے کہ عورتوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ان کے پاس کپڑوں کا صندوق بھی بھرا ہوا ہو مگر پھر بھی جب پوچھو یہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہیں چار چیتھڑے اور برتن چاہے کتنے ہی ہوں مگر جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں چار ٹھیکرے اور جوتوں کے دو تین جوڑے رکھے ہوئے ہوں گے مگر جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں دو لیتڑے' وہ واعظ آدمی تھے قافیہ خوب ملایا واعظوں کے بیان میں ایسی صنعتیں بہت ہوتی ہیں اور اسی کو لوگ پسند

(۱) ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو نہ گن سکو'' سورۂ نحل: ۱۸۔

کرتے ہیں مولویوں کے وعظ کو پسند نہیں کرتے کیونکہ ان کو یہ قافیے نہیں آتے۔ مگر واقعی عورتوں کی حالت تو وہی ہے جو مولوی عبدالرب صاحب نے کہی ہے چنانچہ بعض عورتیں ضرورت کے موافق کپڑے بنالیتی ہیں اس کے بعد پھر کوئی بزاز (۱) عمدہ سی چھینٹ (۲) لے آیا تو ایک دو پائجامہ کی اگلے سال کے لئے ضرور خرید لیں گی بس اس بارہ میں یہ بالکل اس شعر کا مصداق ہیں ؎

من قاشِ فروشِ دل صد پارۂ خویشم (۳) ہر کہ ز پیشم گذرد دل بردار لختے

باقی شاعر نے جس معنی کے اعتبار سے ''لختے بردار دل'' کہا ہے اُس کا مصداق عورتیں نہیں ہیں کیونکہ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ میرے سامنے جو حسین بھی آجاتا ہے میں اُس پر فریفتہ ہوجاتا ہوں۔

عورتوں کی خوبی

سو یہ بات ماشاء اللہ تعالیٰ عورتوں میں نہیں ہے بلکہ اس بارے میں تو وہ حوروں کے مشابہ ہیں جیسے اُن کے بارے میں ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ ای علی ازواجھا آیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں گی یہی حالت ہندوستان کے اکثر حصہ کی عورتوں کی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے سوا کسی پر نظر نہیں کرتیں گو بعض کمبخت ایسی بھی ہیں کہ آبرو میں بٹہ (۴) لگادیتی ہیں مگر ایسی بہت کم ہیں زیادہ تر عورتیں عفیف (۵) ہی ہوتی ہیں ان کے دل پر غیر مرد کا خیال ہی نہیں گذرتا نہ حلال کا نہ حرام کا مگر جیسے باغ میں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں ایسے ہی بعض دوسری قسم کی بھی ہیں خیر ان سے قطع نظر کر کے اکثر کو دیکھا جائے تو وہ

---

(۱) کپڑا بیچنے والا (۲) رنگین چھپا ہوا کپڑا (۳) جو حسین میرے سامنے سے گذرتا ہے میرے دل کا ایک ٹکڑا لے جاتا ہے میں اپنے دل کے سینکڑوں ٹکڑوں کو بیچ رہا ہوں (۴) عزت وآبرو خراب کردیتی ہیں (۵) پاک دامن۔

﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ ہی کا مصداق ہیں یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں نکاح ثانی کا رواج کم ہے حقیقت میں یہاں کی عورتیں یوں چاہتی ہیں کہ شوہر کے مرنے کے بعد خود بھی مرجائیں مگر موت تو قبضہ میں نہیں ہے۔

موت کسی کے قبضہ میں نہیں

رہے اسبابِ موت وہ گو قبضہ میں ہیں مگر حرام ہیں اور واقع میں اسبابِ موت اختیار کرنے کے بعد بھی موت قبضہ میں نہیں ہے کیونکہ اسبابِ موت اختیار کرنے سے موت کا آجانا لازم نہیں ایسے بہت واقعات ہوئے ہیں کہ بعض لوگوں نے سنکھیا(۱) کھالیا اور نہیں مرے اسی طرح بعضوں نے گلا کاٹ لیا اور نہیں مرے۔

ایک شخص ایک انگریز کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اُس کو کسی نے کچھ تہمت لگائی تو بدنامی کے رنج سے اُس نے استرا لے کر اپنا گلا کاٹ لیا اور کمرہ اندر سے بند کرلیا تھا تھوڑی دیر کے بعد نالی میں سے جو خون نکلا تو ملازم گھبرایا کہ یہ خون کیسا اُس نے کمرے کے کواڑوں میں جو اوپر آئینے لگے ہوئے تھے اُن میں سے جھانکا تو دیکھا کہ صاحب بہادر کا گلا کٹا ہوا پیچھے کو گرا ہوا ہے مگر کھال اٹکی ہے اور خون بہہ رہا ہے اُس نے فوراً پولیس اور ڈاکٹر کو اطلاع دی سب نے آکر کواڑ کھولے اور ڈاکٹر نے لاش کا معائنہ کیا اس وقت ڈاکٹر کو یہ معلوم ہوا کہ بدن میں کچھ حرارت باقی ہے اور رگیں سب نہیں کٹیں تو اُس نے جلدی سے سر کو اٹھا کر سیدھا کر کے جما دیا اور گلے میں فوراً ٹانکے لگا کر کوئی دوا لگا دی شام تک اُس مردہ نے آنکھیں کھولدیں اور چند روز میں مقوی دوائیں کھا کھا کر چلنے پھرنے لگا راوی کہتے تھے کہ وہ بالکل اچھا خاصا ہوگیا صرف ایک عیب ہوگیا تھا کہ گنگنا بولتا تھا نہ معلوم خیشوم کی کونسی رگ خراب ہوگئی تھی تو موت تو کسی کے قبضہ میں نہیں مگر عورتیں خاوند کے مرنے سے کالمیت(۲) ضرور

(۱) زہر (۲) مثل مردہ کے ہوجاتی ہیں۔

ہوجاتی ہیں اور پہلے زمانہ میں تو بعض عورتیں سچ مچ میت ہوجاتی تھیں چنانچہ یہ ستی کی رسم بھی اسی محبت کی وجہ سے نکلی تھی جو ہندوستان کی عورتوں کو خاوند سے ہوتی ہے۔

طبیعتوں پر آب وہوا کا اثر

ہندوستان کی آب و ہوا کا یہ اثر ہے کہ یہاں عورت کو مرد سے تعلق ہوتا ہے چنانچہ ہندی شاعری اس کی دلیل ہے اُس میں عورت کی طرف سے مرد کو خطاب ہوتا ہے میرے پیا وغیرہ اور عرب میں مرد کو عورت کی طرف میلان ہوتا ہے جیسا کہ عربی شاعری اس پر شاہد ہے اور فارس میں بڑا گندا اثر یہ ہے کہ وہاں مرد کو مرد سے میلان ہوتا ہے چنانچہ اس میں مذکر کی طرف سے مذکر کو خطاب ہوتا ہے اور اب یہ اثر ہندوستان کی اُردو شاعری پر بھی ہوگیا ہے اور حیرت یہ کہ بعضے ثقہ اور دیندار لوگ بھی اس اثر سے نہ بچ سکے۔ حضرت امیر خسرو کتنے بڑے درویش ہیں مگر شاعری میں وہ بھی لڑکوں اور امردوں(۱) کا تذکرہ کرتے ہیں فرماتے ہیں ؎

اے دہلی واے بتانِ سادہ — پگ بستہ وریشہ کج نہادہ
کردند مرا خراب آخر — ہندو بچگان مار زادہ (۲)

خیر ہندوستان میں یہ اثر خارجی آگیا ہے ورنہ یہاں کی آب و ہوا کا اصلی اثر یہی ہے کہ عورت کو مرد کی طرف میلان ہوتا ہے اسی لئے وہ شوہر کے مرنے سے کالمیت ہوجاتی ہیں نہ نکاح کریں نہ زینت وآرائش عمر بھر کریں اسی لئے یہاں نکاح ثانی معیوب ہوگیا مگر اب رواج ہونے لگا ہے اور اچھا ہی ہوا کیونکہ گو منشا اس کا امر طبعی تھا مگر بعد میں عقلی کراہت پیدا ہوگئی اور لوگ حکم شرعی کو عیب سمجھنے لگے تھے۔

(۱) نابالغ لڑکے (۲) دہلی والے سادہ لوگ، پگڑی باندھے اور لمبی زلفیں بکھیرے ہوئے آخر مجھے خراب کردیا ہندو بچوں نے جو زہر میں سانپ کے بچے ہیں۔

ایک عورت کی بدعقلی

حتی کہ کانپور میں ایک بیوہ عورت سے کسی نے کہا کہ دوسرا نکاح کرنا سنت ہے حضور ﷺ کی صاحبزادیوں نے دو دو نکاح کئے ہیں تو بھی دوسرا نکاح کرلے تو وہ کمبخت کیا کہتی ہے کہ دیکھو حضور کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تو دوسرا نہیں کیا وہ خاندانی بی بی سے تھیں اور دوسری بیٹیوں نے جو کیا ہے تو ظالم نے ایسا سخت لفظ کہا کہ اس کو نقل کرتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ''نقل کفر کفر نباشد''(۱) کمبخت کہنے لگی کہ وہ کسی کم ذات بی بی سے ہونگی نعوذ باللہ استغفر اللہ حالانکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح ثانی کی ضرورت ہی نہ ہوئی تھی وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے وفات پاگئیں تھی تو پھر حضور ﷺ کی سب صاحبزادیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی سے تھیں اور کسی اور بیوی سے بھی ہوتیں تو آپ کی ازواج میں کم ذات کوئی بھی نہ تھیں سب شریف زادیاں اعلیٰ خاندان سے تھیں مگر اس کمبخت نے حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کو ایسا سخت لفظ کہا جب اس طبعی اثر کا نتیجہ یہاں تک پہنچ گیا تو علماء نے اس بدعت کے مٹانے میں قولاً وعملاً ہر طرح کوشش کی پہلے مجھے علماء پر شبہ ہوتا تھا کہ نکاح ثانی کے باب میں تصحیح اعتقاد کافی ہے عملی سعی کی کیا ضرورت ہے محض تصحیح عقائد پر کیوں اکتفا نہیں کرتے اور خواہ مخواہ سر ہوکر بیوہ کا نکاح کیوں کراتے ہیں مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ظاہر کو بھی باطن میں بڑا اثر ہے اور جب کسی عمل کو دائما متروک رکھا جاتا ہے تو باطن پر اُس کا اثر ضرور رہتا ہے(۲) بدون عمل کے اعتقاد کی جڑ نہیں نکلتی اس لئے علماء کی رائے صحیح ہے کہ اس بدعت کا استیصال بدون عملی سعی کے (۳)

(۱) کفر کی نقل کرنے سے ناقل کافر نہیں ہوجاتا (۲) جب کسی کام کو مستقل طور پر کرنا چھوڑ دیا جاتا ہے تو باطن بھی اس سے متاثر ہوتا ہے (۳) یہ بدعت بغیر عملی کوشش کے جڑ سے ختم نہیں ہوسکتی۔

نہیں ہوسکتا چنانچہ جب سے اس پر عمل ہونے لگا ہے اس وقت سے اعتقاد بھی درست ہونے لگے ہیں۔ غرض عورتوں کے متعلق یہ شعر اُس معنی کر تو صحیح نہیں جو شاعر کی مراد ہے شوہر کے باب میں اُن کی یہ حالت نہیں ہے مگر اور چیزوں کے متعلق ان کی یہی حالت ہے زیور اور کپڑوں کے باب میں وہ بالکل اس شعر کا مصداق ہیں ۔

من قاش فروشِ دل صد پارہ خویشم　　لختے بردازدل گذرد ہر کہ بہ پیشم

کہ جو چیز بھی دیکھتی ہیں ان پر اس کی حرص غالب ہوجاتی ہے ان کو تو چیز کا دکھانا ہی غضب ہے پھر بدون خریدے یا بنوائے ان کو صبر نہیں آتا بس ان کو تو کوئی نئی چیز دکھاؤ ہی نہیں۔

حرص کا مقابل

غرض چونکہ ان میں حرص کا مادہ زیادہ ہے اس لئے یہ حدیث ان کے حال کے بہت مناسب ہے اور بعد میں یہ بھی اتفاقی مناسبت ہوگئی کہ میں نے اس مکان کو جسمیں یہ بیان ہورہا ہے وقف کردیا ہے احباب کو معلوم ہوا ہوگا اور یہ فعل اُس خاصیت کا مقابل ہے جو حدیث میں مذکور ہے کیونکہ حرص میں اپنی ملک کے اندر چیزوں کو لایا جاتا ہے اور وقف میں ملک سے نکالا جاتا ہے تو وقف حرص کا مقابل ہوا اور اس میں گویا مرادِ حدیث پر عمل ہے کیونکہ حضور ﷺ کا مقصود حرص سے روکنا ہے جس کا تحقّق اس فعل میں ہوگیا اور یہ تفاخر نہیں بلکہ شکر ہے۔ بہرحال اس حدیث میں ایک ضروری مضمون ہے، عورتیں غور سے سنیں کیونکہ یہ مضمون خصوصیت سے اُن کے مناسب ہے پس حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ’’اگر ابن آدم کے پاس دو

وادیاں سونے چاندی کی ہوں تو وہ تیسری کا طالب ہوگا'' وادی کہتے ہیں اُس نشیبی زمین کو جسمیں پانی بہتا ہو جیسے ندی اور نالہ تو اس لفظ میں زیادہ مبالغہ ہے کہ اگر انسان کے پاس چاندی سونا اس کثرت سے ہو کہ پانی کی طرح بہتا ہو جب بھی وہ زیادہ کا طالب ہوگا چنانچہ اگر اُس کے پاس دو وادی بھی ہوں تو تیسری کا طالب ہوگا اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تین ہوں گے تو لا بتغی رابعا کہ چوتھے کی تلاش میں ہوگا سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا خوب ترجمہ کیا ہے ؂

ہفت اقلیم ار بگیرد پادشاہ ہمچناں در بندِ اقلیمے دگر(۱)

عوام کو اقتدار کی خواہش

سلاطین کو تو اقلیم وسلطنت کی ہوس ہوتی ہی ہے مگر اب تو یہ حالت ہے کہ رعایا بھی سلطنت کے خواب دیکھتی ہے پھر اس کا نتیجہ کیا ہے سوائے پریشانی کے کچھ نہیں بس اُن کی وہ حالت ہے جیسے چیونٹی کے مرنے کے دن قریب آتے ہیں تو اُس کے پر لگتے ہیں اس وقت تو وہ خوش ہوتی ہے کہ آہا میں بھی ہوا میں اڑنے لگی اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے ؂

چیونٹی کے لگے پر تو وہ کہنے لگی اڑ کر میں مثلِ سلیمان ہوں ہوا میں کئی دن سے

مگر اُس کو یہ خبر نہیں کہ اس کی ہلاکت کے دن قریب آگئے ہیں اسی طرح جب رعایا سلطنت کے خواب دیکھے گی تو اس کا نتیجہ بجز ہلاکت کے کچھ نہیں اور

(۱) رہائش پذیر زمین کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس کو اقلیم کہتے ہیں ان میں سے اگر ایک حصہ زمین پر کسی کی بادشاہت قائم ہوجائے تو اس کو یہ حرص ہوگی کہ اب دوسرے حصہ پر اپنی حکومت قائم کروں اور پھر تیسرے اور چوتھے پر۔

باوجودیکہ اس خوابِ پریشان کا منشا محض حرص ہے اور کچھ نہیں مگر یہ لوگ اس کو دین سمجھتے ہیں اور اس کا نام ترقی اسلام رکھا ہے۔ صاحبو! نام کے بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا نتائج اور آثار کو دیکھنا چاہئے کہ اس ہوس خام کے آثار ونتائج کیا ہیں اس سے اسلام کو کچھ ترقی ہوئی ہے یا کفر کو۔

اپنی بساط سے زائد خواہش کا نقصان

صوفیاء بڑے محقق ہیں اور ان سے زیادہ دیندار کون ہوگا ان کی تعلیم یہ ہے ۔

آرزومی خواہ لیک اندازہ خواہ　　　برنتابد کوہ را یک برگِ کاہ (۱)

یعنی آرزو اور تمنا کا مضائقہ نہیں مگر اپنے اندازہ کے موافق ہونی چاہئے حد سے زیادہ آرزو نہ کرنا چاہئے کیونکہ پہاڑ کو گھاس کا تنکا ہٹا نہیں سکتا۔ تو دیکھئے محققین حد سے زیادہ ہوس کو منع کرتے ہیں کیونکہ تجاوز عن الحد میں پریشانی ہی پریشانی ہے۔

شریعت کی تعلیم

اور شریعت نے مسلمانون کو پریشانی سے بچانا چاہا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (۲) اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((لَايَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ؟ قَالَ: يَتَحَمَّلُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُهٗ)) نص قرآنی سے معلوم ہوا کہ جس ہوس کا نتیجہ ہلاکت ہو وہ ممنوع ہے وہ دین نہیں بلکہ خلاف دین ہے اور حدیث سے معلوم ہوا

(۱) خواہش کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن اپنی بساط کے مطابق اس لئے کہ اگر تنکا یہ خواہش کرے کہ میں پہاڑ کو ہٹادونگا تو یہ خیال خام ہے (۲) ''اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو'' سورۂ بقرہ: ۱۹۵۔

کہ ”مسلمان کو اپنے آپ کا ذلیل کرنا بھی جائز نہیں گو ہلاکت بھی نہ ہو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان اپنے آپ کو کیونکر ذلیل کرتا ہے؟ فرمایا ایسی بلا کو سر دھر لے جس کے تحمل کی طاقت نہیں“ اس سے بھی تجاوز عن الحد کی مذمت معلوم ہوئی یہ تو مصائب اختیاریہ کے متعلق شریعت کی تعلیم تھی اگر اس پر عمل کیا جائے تو اختیار مصائب سے جو پریشانی ہوتی ہے وہ کبھی پاس نہ آسکے۔

مصیبت کا شرعی علاج

اور مصائب غیر اختیاریہ کا شریعت نے ایسا علاج بتلایا ہے کہ تمام حکماءِ عالم بھی جمع ہو جائیں تو اس کی نظیر نہیں لا سکتے سنئے وہ علاج کیا ہے فرماتے ہیں: ﴿الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ کہ ”جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں (یعنی اس کی ملک ہیں وہ ہمارا مالک ہے اور مالک کو ہر قسم کے تصرف کا مملوک میں حق ہے) اور ہم اس کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں“ اس میں تعلیم ہے کہ مصیبت کے وقت اس مضمون کا استحضار کرنا چاہیے مگر ہم لوگوں نے اس کو محض وظیفہ بنالیا ہے جیسے اور وظیفے ہوتے ہیں تسخیر جن اور حب (۱) وغیرہ کے یعنی محض زبان اور ہونٹوں تک اس کا اثر رہتا ہے دل سے بالکل اس مضمون کو نہیں سوچتے تو اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے کسی نے سنا تھا کہ گل بنفشہ زکام کے لئے مفید ہے اُس نے گل بنفشہ پکا کر ہونٹوں کو لگا لیا تو بتلایئے اس سے زکام کیونکر جاتا رہیگا اسی طرح ہماری پریشانی کیونکر دور ہو جبکہ ہم نے ((انا للّٰہ)) کو محض ہونٹوں سے لگا رکھا ہے' ارے بھائی! اس کو دل

(۱) جنات کو قابو کرنا اور محبّ ہونے کا وظیفہ۔

کے اندر اتارو پھر دیکھو پریشانی کہاں جاتی ہے شاید تم یہ کہو کہ قرآن میں تو ((قَالُوْا)) آیا ہے تَفَکَّرُوْا نہیں آیا اور قول کا صدور ہم سے بھی ہو جاتا ہے پھر نفع کیوں نہیں ہوتا تو آپ کو خبر بھی ہے کہ قول کسے کہتے ہیں ۔

اِنَّ الْکَلَامَ لَفِی الْفُوَادِ وَاِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَی الْفُوَادِ دَلِیْلاً (۱)

اصل قول تو قلب ہی سے ہوتا ہے اور قرآن میں بھی مراد یہی ہے کہ زبان و دل دونوں سے یہ کلمہ کہا جائے شاید تم یہ کہو کہ جب ہم زبان سے کہیں گے تو دل میں بھی پہنچ جائیگا کیونکہ اس وقت تصور تو لازم ہے' میں کہتا ہوں کہ دل میں کیا پہنچے گا محض الفاظ ہی الفاظ پہنچیں گے اور مقصود معنی کا پہنچانا ہے۔ وہ بدون تامل و تفکر کے نہیں پہنچ سکتے اگر ہم اس کلمہ کو تصور معنی کے ساتھ کہا کریں تو پریشانی پاس نہیں آسکتی چنانچہ اس میں اول تعلیم یہ کی گئی ہے کہ ((انا للّٰہ)) کا استحضار رکھو کہ ہم اور ہماری تمام چیزیں حق تعالیٰ کی ملک ہیں اور مالک کو مملوک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے دوسروں کو کسی کی مِلک میں کسی تجویز کا حق نہیں اس میں ہماری تجویز کو قطع کیا گیا ہے کہ تم اپنی طرف سے کوئی خاص حالت اور خاص صورت اپنے لئے یا اپنے متعلقین وغیرہ کے لئے تجویز نہ کرو کیونکہ تم سب خدا کی ملک ہو اور تجویز کا حق مالک کو ہے تم کو نہیں ہے۔

انسان کی خواہشات کی تمثیل

اور یاد رکھئے کہ پریشانی کا مدار یہی تجویز ہے کہ انسان اپنے لئے یا اپنے متعلقین کے لئے ایک خیالی پلاؤ پکا لیتا ہے کہ یہ لڑکا زندہ رہے اور تعلیم یافتہ ہو اور اس کی اتنی تنخواہ ہو پھر وہ ہماری خدمت کرے اور یہ مال ہمارے پاس رہے اس

(۱) کلام تو اصل میں دل میں ہوتا ہے اور زبان تو صرف اس کی ترجمان ہے۔

میں یوں ترقی ہو اور اتنا نفع ہو اسی طرح شیخ چلی کی طرح ہر چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ منصوبے قائم کر لئے جاتے ہیں جیسے شیخ چلی کا قصہ ہے کہ ایک شخص نے دو پیسے کی مزدوری پر تیل کا گھڑا اُس سے اٹھوایا کہ فلاں جگہ تک پہنچا دو آپ گھڑا سر پر رکھے ہوئے چلے اور راستہ میں تجویزیں پکانے لگے کہ ان دو پیسوں کے دو انڈے لاؤنگا ان کے بچے نکلواؤں گا جن میں ایک مرغی ہوگی اور ایک مرغا پھر وہ اور انڈے دیں گے پھر اُن سے بھی بچے نکلواؤں گا اس طرح میرے پاس بہت سی مرغیاں ہو جائیں گی پھر ان کو بیچ کر بکریاں خریدوں گا ان میں بھی اسی طرح سلسلۂ توالد چلے گا پھر ان کو بیچ کر گائے خریدوں گا پھر بھینس لونگا پھر ان کو بیچ کر بہت سا روپیہ حاصل ہوگا تو میں ایک دکان کھولوں گا جس میں بہت نفع ہوگا تو ایک عالیشان محل بناؤں گا اور بادشاہ زادی کو پیغامِ نکاح دونگا بادشاہ میری ریاست کو دیکھ کر بس فوراً ہی نکاح کر دیگا پھر اُس سے ایک لڑکا ہوگا وہ میرے ساتھ ساتھ رہا کریگا اور کبھی مجھ سے پیسہ مانگے گا تو میں کہونگا ہُشت' بس ہُشت جو کیا تو سر کے ہلنے سے گھڑا گر پڑا اور سارا تیل بہہ گیا۔ مالک نے کہا ارے یہ کیا کیا؟ تو آپ فرماتے ہیں کہ میاں جاؤ بھی تمہارا تو چند پیسوں کا تیل ہی ضائع ہوا اور میرا تو سارا کنبہ ہی ہلاک ہو گیا اور سب کارخانہ تباہ ہو گیا کیونکہ سارے منصوبوں کا منشا تو وہ دو پیسے تھے جو میاں کو مزدوری میں ملتے جب مزدوری پوری نہ ہوئی تو پیسے بھی نہ ملے اور جب پیسے نہ ملے تو انڈے بچے سب رکھے رہ گئے (لوگ اس حکایت پر ہنسنے لگے تو فرمایا ۱۲) ہم اس پر ہنستے ہیں مگر در حقیقت ہم سب اسی مرض میں مبتلا ہیں کہ بادل دیکھ کر گھڑے پھوڑ دیتے ہیں اور دور دراز کی امیدیں پکانے لگتے ہیں پھر جب تجویز اور امید کے خلاف وقوع ہوتا ہے تو پریشانی اور رنج میں گرفتار ہوتے ہیں اگر پہلے سے کوئی تجویز نہ ہو تو پریشانی کبھی پاس نہ پھٹکے۔

اہل اللہ کی راحت کا راز

اسی لیے اہل اللہ سب سے زیادہ آرام و راحت و مسرت میں ہیں ان کو کسی واقعہ سے پریشانی اور غم نہیں ہوتا کیونکہ وہاں تجویز کا نشان ہی نہیں ہے بلکہ تفویض کلی ہے (۱) بس ان کو ایک غم آخرت کا تو ہے اور کسی بات کا غم نہیں مگر غمِ آخرت ایسا نورانی اور لذیذ ہے کہ اُس کے بدلے میں وہ سلطنت بھی لینا نہیں چاہتے اسی لئے کہتے ہیں ؎

غمِ دین خور کہ غمِ غمِ دین ست — ہمہ غم ہا فروتر ازین ست
غمِ دنیا مخور کہ بیہودہ است — ہیچ کس در جہاں نیا سودہ است (۲)

اس مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غمِ دین بیہودہ نہیں ہے یہ غم موجب راحت ہے اسی لئے اہل اللہ ہر وقت شاداں وفرحاں نظر آتے ہیں کہ کوئی مرے جب خوش جئے جب خوش بیمار ہو جب خوش قحط ہو تب خوش کیونکہ وہ ہر حال میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے محبوب کی طرف سے ہو رہا ہے اور

ع ہرچہ ازدوست می رسد نیکو ست (۳)

غرض ((اِنَّا لِلّٰہِ)) میں تجویز کو قطع کیا گیا ہے مگر چونکہ بعض کو ابتداءً اس پر قدرت تام نہیں ہوتی تو اُن کے لئے ﴿اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ کی بھی تعلیم ہے کہ کسی کی مفارقت سے غم نہ کرو کیونکہ تم بھی ایک دن وہیں پہنچو گے جہاں وہ گیا ہے اس میں

(۱) انہوں نے اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیا کہ جیسا وہ چاہتے ہیں میں اس میں راضی ہوں میری کوئی خواہش نہیں (۲) دین کی فکر کرو کہ اصل میں فکر دین کی ہی ہونی چاہئے باقی تمام فکریں اس سے بدرجہا کم ہیں دنیا کی فکر نہ کرو کہ بے کار ہے کہ جہاں میں کوئی بھی راحت و آرام میں نہیں ہے (۳) دوست کی طرف سے جو حالت بھی پیش آئے ٹھیک ہے۔

تسلی عام اور تام ہوجاتی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے نظام حیدر آباد کسی کے عزیز کو بلالے اور اُس کو مفارقت کا صدمہ ہو پھر نظام اس کو خط لکھ دے کہ تم بھی عنقریب یہیں بلائے جاؤ گے تو اب غمِ مفارقت (۱) نہیں ہوتا اسی لئے اہل اللہ کو کسی کی مفارقت سے زیادہ غم نہیں ہوتا بلکہ وہ تو کسی کو مرتا ہوا دیکھ کر خود بھی موت کے مشتاق ہوتے ہیں پھر کسی کے مرنے سے کیا غم کرتے' وہ تو موت سے ایسے مسرور ہیں کہ اس کے لئے نذریں مانتے ہیں عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خرم آروز کزیں منزل ویراں بروم　　راحتِ جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا درِ میکدہ شاداں وغزلخواں بردم (۲)

اور یہ محض باتیں ہی نہیں ہے بلکہ عارفین نے اس کو کر کے دکھلا دیا ہے ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مر رہے تھے تو سب لوگ رو رہے تھے اور وہ یہ کہہ رہے تھے ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم　　جسم بگذارم سراسر جاں شوم (۳)

حصولِ راحت کا ذریعہ

غرض شریعت مسلمانوں کے لئے پریشانی کو پسند نہیں کرتی اسی لئے مصائب اختیاریہ وغیر اختیاریہ سب کے لئے ایسی تعلیم دی گئی ہے جس سے پریشانی کا استیصال (۴) ہوجاتا ہے اور رعایا کو ہوس سلطنت ہونا پریشانی کا سبب ہے اس لئے یہ ہوس دین نہیں ہے بلکہ حد سے تجاوز ہے جس کی ممانعت آئی ہے اور

---

(۱) جدا ہونے کا غم (۲) آج کتنا اچھا دن ہے کہ میں قبرستان کی طرف جارہا ہوں اپنی جان کی راحت طلب کرتا ہوں جانِ جان کی طرف جارہا ہوں نذر و نیاز دوں اگر یہ مبارک دن آجائے تاکہ اس میکدہ کے دروازے کی طرف خوشی خوشی غزل گاتا ہوا جاؤں (۳) وہ مبارک دن آگیا ہے کہ میں جسم کا لباس اتاردوں اور عریاں ہوجاؤں اور سراپا جانِ جان ہوجاؤں (۴) پریشانی جڑ سے ختم ہوجائے۔

منشا اس ہوس کا محض حرص ہے اور ہر آرزو پوری نہیں ہوا کرتی تو حرص سے پریشانی ہی پریشانی ہوگی حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی﴾ (۱) اس لئے حریص کو کبھی راحت نہیں مل سکتی شاعر کہتا ہے ؎

مَا کُلُّ مَا یَتَمَنّٰی الْمَرْأُ یُدْرِکُہٗ تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَھِی السُّفُنُ (۲)

انسان بہت دفعہ ایک آرزو قائم کرتا ہے اور وہ خاک میں مل جاتی ہے ؎

ع بسا آرزوکہ خاک شدہ (۳)

اس لئے اگر راحت چاہتے ہو تو احکام پر عمل کرو اور حرص کو قطع کرو تم اپنے لئے نہ سلطنت تجویز کرو نہ گداگری (۴) صرف خدا تعالیٰ کی غلامی اختیار کرو اس کے بعد وہ جو چاہیں گے خود دیدیں گے یہاں سے معلوم ہوگیا کہ آج کل جو لوگ ترقیٔ متعارف کے معلّم ہیں (۵) وہ درحقیقت پریشانی کی تعلیم دے رہے ہیں کیونکہ جس چیز کا نام انہوں نے ترقی رکھا ہے اس کی حقیقت محض حرص ہے اور جو لوگ ترقیٔ متعارف سے مانع ہیں وہ راحت کے معلّم ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں شریعت کے موافق چلو اور اس میں راحت ہی راحت ہے شریعت کے موافق چل کر پریشانی پاس نہیں آسکتی۔

اُمّ الامراض

بہرحال حرص تمام پریشانیوں کی جڑ ہے اور یہ مرض عورتوں میں زیادہ ہے اور ایسا مرض ہے کہ اس کو اُمّ الامراض (۶) کہنا چاہیے کیونکہ اسی کی وجہ سے

(۱) ''کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے'' (سورۂ نجم: ۲۴) (۲) انسان جو کچھ چاہتا ہے وہ اس کو نہیں ملا کرتا ایسی ہوائیں چلتی ہیں کہ جس کو اہلِ سفینہ پسند نہیں کرتے (۳) کتنی ہی خواہشات خاک میں مل گئیں (۴) فقیری (۵) نئی ترقی کی تعلیم دے رہے ہیں (۶) تمام امراض کی اصل۔

جھگڑے فساد ہوتے ہیں اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں اگر لوگوں میں حرصِ مال نہ ہو تو کوئی کسی کا حق نہ دبائے پھر ان فسادات کی بھی نوبت نہ آئے۔ بدکاری اور چوری وغیرہ کا منشا بھی حرص ہے کہیں حرص مال ہے کہیں حرص لذت نیز اخلاق رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے کیونکہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاقِ رذیلہ کی اصل کبر ہے۔ اور کبر کا منشا بھی ایک گونہ حرص ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ بھی حرص کی ایک فرد ہے کیونکہ تکبر طلبِ جاہ کا نام ہے تو اس میں جاہ کی ہوس ہے بلکہ غور کیا جائے تو مال کی بھی حرص ہے کیونکہ طلب جاہ اس واسطے کی جاتی ہے کہ صاحبِ جاہ کو ضروریات معاش سہولت سے مل جاتی ہیں اس کی حاجتیں آسانی سے پوری ہو جاتی ہیں جو کام دوسرے شخص کا سینکڑوں روپے خرچ ہونے سے نکلتا ہے وہ صاحبِ جاہ کی زبان ہلنے سے ہو جاتا ہے چنانچہ سفر و حضر میں مشاہد ہے کہ کلکٹر اور حاکم کے منہ سے جہاں یہ نکلا کہ ہم کو دودھ کی ضرورت ہے تو ہر شخص دودھ لانے کو تیار ہو جاتا ہے اور جہاں یہ نکلا کہ ہم کو گائے کی ضرورت ہے تو ہر طرف سے لوگ گائے لئے چلے آتے ہیں چاہے دل سے یا بددلی سے مگر حاکم کا منشا پورا ضرور ہو جاتا ہے تو صاحبِ جاہ کو انجام حوائج سہل (۱) ہو جاتا ہے مال بھی آسانی سے ملتا ہے ورنہ کم از کم روپے کی بچت تو ضرور ہو جاتی ہے کیونکہ ہر شخص خوشامد میں جو کچھ لاتا ہے مفت ہی پیش کرتا ہے اسی لئے صوفیاء نے صاحب جاہ کے آداب میں لکھا ہے کہ ایسا شخص اپنی حوائج کو ظاہر نہ کرے کیونکہ اس سے لوگ فکر میں پڑ جائینگے اور ہر شخص اس کی حاجت کو پورا کرنا چاہے گا اس لئے صاحب جاہ کو اظہارِ حاجت مناسب نہیں شاید کوئی کہے کہ ہم تو اظہار حاجت کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اگر تم پر بار نہ ہو گرانی نہ ہو تو یہ کام کر دو تو خوب سن لو کہ یہ مقدمات شرطیہ سب

(۱) ضرورتوں کا پورا ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

فضول ہیں کیونکہ معتقدین ان مقدمات کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ تالی (۱) کو دیکھ کر حوائج کا تالا کھولنے میں لگ جاتے ہیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جاہ کی حقیقت ملک القلوب لکھی ہے اور ملک القلوب سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہمارے کام سہولت سے نکلتے رہیں پس تکبر کا منشا بھی حرص ہے اور تفاخر کا منشا بھی یہی ہے کیونکہ مال و دولت کو دکھانا جمع مال ہی کے بعد ہوسکتا ہے اور وہ جمع ہوتا ہے حرص سے تو حرص کا اُمُّ الامراض اور اصل معاصی ہونا ثابت ہوگیا۔

حُبِ دنیا کی حقیقت

یہاں سے اس حدیث کا مطلب واضح ہوگیا ہوگا ((حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ)) (۲) حُبِ دنیا ہی کا نام تو حرص ہے اور عورتوں میں یہ مرض مردوں سے زیادہ ہے ان کو زیور کپڑے اور برتنوں کی بہت حرص ہے پھر اس سے ریاء وتفاخر (۳) بھی پیدا ہوتا ہے جب محفل میں بیٹھیں گی تو کسی بہانہ سے اپنے کرن پھول اور کنگن دکھانا چاہیں گی۔ کنگن تو ہاتھوں میں ہوتے ہیں وہ تو سب بے تکلف دیکھ لیتے ہیں البتہ کرن پھول اور طوق گلو بند (۴) وغیرہ دوپٹہ سے مستور ہوتے ہیں تو جو اُن میں ثقہ نہیں ہیں وہ تو بدلالتِ قال (۵) دکھلاتی ہیں کہ اے فلانی دیکھئے میرے کرن پھول کیسے ہیں اچھے بھی بنے ہیں؟ گلو بند عمدہ بھی ہے؟ جس سے سب سمجھ جاتی ہیں کہ مقصود یہ جتلانا ہے کہ ہمارے پاس یہ چیزیں بھی ہیں اور جو ثقہ ہیں وہ بدلالت قال تو نہیں (۶) دکھلاتیں مگر بدلالتِ حال دکھلاتی ہیں کہ بیٹھے بیٹھے اُن کے کان میں یا

---

(۱) لا یخفی مافیہ من اللطف فللّٰہ درہ ما ابلغہ ۱۲ جامع (۲) دنیا کی محبت ہر بُرائی کی اصل ہے (۳) دکھاوا اور تکبر پیدا ہوتا ہے (۴) کان کی بالیاں اور گلے میں پہننے والا وہ اونی یا ریشمی پٹکا جو زیور سے آراستہ ہوتا ہے (۵) جوان میں زیادہ نیک نہیں ہیں وہ زبان ہی سے کہہ دیتی ہیں (۶) جو ان میں ذرا نیک ہیں وہ زبان سے تو نہیں کہتیں لیکن ایسی حرکتیں کرتی ہیں جس سے سب کو ان کا حال معلوم ہو جائے کہ انہوں نے ایسا کپڑا اور زیور پہنا ہوا ہے۔

گلے میں کھجلی اُٹھتی ہے بار بار کان اور گلا کھجلاتی ہیں مگر یہ کھجلی اول دل میں ہوئی تھی پھر کان میں ہونے لگی بہرحال حرص سے اول قلب کو پریشانی ہوتی ہے پھر ظاہر کو بھی پریشانی ہونے لگتی ہے تو اس کا علاج ضروری ہوا جو اس حدیث میں مذکور ہے جس کی تقریر ((یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ)) کی شرح سے ذکر کی جاوے گی۔

ابن آدم کہنے کی وجہ

پس رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ((لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنَ الْمَالِ)) اس میں حضور ﷺ نے لفظ ابن ادم اختیار فرمایا ہے انسان نہیں فرمایا کیونکہ ابن آدم کے عنوان میں ایک مقبول کی طرف نسبت (۱) ہے جس سے شرم دلانا منظور ہے کہ ایسے مقبول کا بیٹا اور نبی زادہ (۲) ہو کر اس کی خصلت ایسی جو بہائم جیسی (۳) ہے دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حرص کو مذموم (۴) کے ساتھ خاص نہ کیا جائے بلکہ عام مان لیا جائے جو محمود و مذموم سب کو شامل ہو اس صورت میں لفظ ابن آدم میں اضافت سے بناء حرص (۵) کی طرف اشارہ ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام میں ایک حرص محمود پیدا ہوئی تھی مگر حضرتِ انسان اُس کی وجہ سے حرص مذموم میں مبتلا ہوگئے مگر یہ توجیہ عوام کے مناسب نہیں بلکہ خواص کے سمجھنے کی ہے عوام کو ابن آدم کہنے کی وہی وجہ سمجھنی چاہئے جو پہلے مذکور ہوئی (نیز ابن آدم کہنے سے اس خاصہ کے عموم پر اور فطری ہونے پر بھی اشارہ ہے ۱۲ ظ) خلاصہ یہ کہ حرص کا مادہ اس میں طبعی ہے۔

علاج میں خودرائی کا نقصان

آگے اس کا علاج بتلاتے ہیں مگر علاج صحیح بتلانے سے پہلے ایک غلط

(۱) یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا (۲) نبی کی اولاد (۳) جانوروں کی سی عادتیں (۴) بُری حرص کے ساتھ خاص نہ کریں بلکہ اچھی اور بری دونوں چیزوں کی حرص مراد لی جائے (۵) حرص کی بنیاد۔

علاج کا غلط ہونا بتلاتے ہیں کیونکہ انسان میں ایک مرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے امراض کا علاج خود کیا کرتا ہے جیسے عورتوں کی بھی عادت ہے کہ وہ اکثر امراض کا علاج خود کیا کرتی ہیں مگر حقیقت میں وہ اُلٹا علاج ہوتا ہے جس سے بجائے اصلاح کے فساد ہی بڑھتا ہے کسی کے پیٹ میں درد ہو تو اُس کا علاج عورتوں میں یہ ہے کہ کھانا کھالو چنانچہ کہا کرتی ہیں کہ یہ بھوک کا درد ہے کھانے سے جاتا رہے گا بھوک کا درد یہ درد کی نئی قسم ہے جو اطباء کو بھی معلوم نہیں اسی طرح مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے پاس ایک مریض آہ آہ کرتا ہوا آیا اس کو دردِ شکم کی شکایت تھی مولوی صاحب طبیب بھی تھے آپ نے ایک نسخہ تجویز کر کے اُس کو دیا کہ یہ دوا پی لو تو آپ کہتے ہیں کہ حضرت اگر پیٹ میں دوا پینے کی گنجائش ہوتی تو میں کھانا ہی اور نہ کھاتا اُس کے نزدیک بھی درد کا علاج کھانا ہی تھا ایسے ہی آج کل لوگوں نے مرضِ حرص کا علاج الٹا کیا ہے اور یہ بھی وہ لوگ کرتے ہیں جو حرص کو مرض سمجھتے ہیں ورنہ عام طور پر تو اس کو مرض بھی نہیں سمجھتے۔

عنوان کی غلطی

چنانچہ آج کل تعلیم یافتہ لوگوں نے حرص کا نام ترقی رکھا ہے اور اس کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں مگر صاحبو عنوان بدلنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی ڈاکو کا نام کاسِب رکھے اور اس کو اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ (۱) کا مصداق بنانے لگے یا جیسے بدو نے کہا تھا کہ ہم جو حاجیوں کو لوٹتے ہیں یہ جائز ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾ (۲) اور سلطانِ روم نصاریٰ سے موالات رکھتا ہے (۳) تو

(۱) اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کمانے والا اللہ کا پیارا ہے (۲) ''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناناوہ ایک دوسرے کے دوست ہیں'' سورۂ مائدہ: ۵۱ (۳) روم کے بادشاہ کی عیسائیوں سے دوستی ہے۔

(نعوذ باللہ) وہ بھی مِنھُم ہے (۱) اُس سے ہر طرح لینا جائز ہے اور ہم حجاج کو اسی واسطے لوٹتے ہیں تا کہ اس دباؤ میں سلطان ہم کو دے یا جیسے معتزلہ (۲) اپنے کو اہل توحید واہل عدل کہتے ہیں کیونکہ وہ زیادتِ صفات کے منکر ہیں اور عاصی کی مغفرت کو بدون عذاب (۳) کے ناجائز کہتے ہیں اس لئے وہ اپنے کو موحد اور اہلِ عدل کہتے ہیں۔

نیچریوں کی کم علمی

اور تماشا ہے کہ آج کل بعض نیچری اپنے کو معتزلی لکھتے ہیں حالانکہ جس جماعت کی طرف وہ اپنے کو منسوب کرنا چاہتے ہیں وہ جماعت اس لقب سے نفرت کرتی اور اس کی اپنے سے نفی کرتی ہے کیونکہ معتزلہ کا لقب تو اُن کو ہم نے دیا تھا۔ (لِاعْتِزَالِهِمْ عَنْ جَمَاعَةِ الْحَقِّ)(۴) ورنہ وہ اس لقب سے خوش نہ تھے اس کی ایسی مثال ہے جیسے شیعہ کو ہم لوگ رافضی کہتے ہیں مگر وہ اس لقب سے جلتے اور ناخوش ہوتے ہیں اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک سنی محرم کے زمانہ میں شیعوں کی مجلس میں جانے لگا وہ خاص مجلس تھی جس میں سنیوں کے آنے کی ممانعت تھی دروازہ پر پہرہ تھا جو کوئی اندر جاتا اُس سے پہلے پوچھ لیتے تھے کہ تم کون ہو جو کوئی شیعی بتلاتا اُس کو اندر جانے دیتے ورنہ روک دیتے جب یہ سنی صاحب دروازہ پر پہنچے تو ان سے بھی پوچھا گیا تو آپ کہتے ہیں کہ ہم رافضی ہیں سب سمجھ گئے کہ یہ سنی ہے کیونکہ شیعی اپنی زبان سے کبھی خود کو رافضی نہ کہے گا چنانچہ میاں نکال دیئے گئے اسی طرح کوئی معتزلی اپنی زبان سے خود کو معتزلی نہیں کہہ سکتا یہ آج کل کے نیچریوں

(۱) وہ بھی اُن میں سے ہے (۲) ایک باطل فرقہ ہے (۳) بغیر عذاب دیئے گنہگار کی بخشش کرنے کو ناجائز کہتے ہیں (۴) چونکہ وہ حق جماعت سے الگ ہوگئے اس لئے ان کو معتزلہ کہا جاتا ہے۔

کی کم علمی ہے جو لقبِ مذلت (۱) کو خود اختیار کر رہے ہیں بہرحال عنوان کے اچھا ہونے سے معنون اچھا نہیں ہوسکتا ورنہ پھرڈا کو بھی اپنے کو کاسب کہہ سکتا ہے اور بدوؤں کا فعل بھی مستحسن ہوجائیگا پس ترقی کا عنوان تو عمدہ ہے کیونکہ قرآن میں بھی اس کا امر آیا ہے: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ (۲) استباق کے معنی ہیں ایک دوسرے پر سبقت کرنا یہی ترقی کا حاصل ہے۔

غلط ترجمہ و تفسیر

یہاں سے ایک مترجم قرآن کی غلطی واضح ہوگئی جس نے: ﴿يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ﴾ (۳) میں استباق کا ترجمہ کبڈی سے کیا ہے کیونکہ کبڈی میں ایک دوسرے پر دوڑنے میں سبقت مقصود نہیں ہوتی دوسرے کبڈی کا میدان اتنا وسیع نہیں ہوتا جس میں سب کھیلنے والے اتنے دُور چلے جائیں کہ ایک بچہ کو بھیڑیا اٹھالے جائے اور کسی کو خبر نہ ہو بلکہ یہ بات دوڑنے میں بیشک ہوتی ہے کہ دو جماعتیں آپس میں دوڑیں کہ دیکھیں کون آگے نکلتا ہے تو اس میں ایسا ہوسکتا ہے کہ سب کے سب دوڑتے ہوئے اتنی دور نکل جائیں کہ جس لڑکے کو سامان پر بٹھایا جائے وہ نظروں سے غائب ہوجائے تیسرے کبڈی کا لفظ نہایت مبتذل (۴) ہے جو فصحاء کے کلام میں مستعمل نہیں ہوتا اس لئے بھی ترجمہ قرآن میں اس کا لکھنا معیوب ہے کیونکہ قرآن کا ترجمہ ایسا فصیح و بلیغ و پُرشوکت ہونا چاہیے جس کو قرآن کا ترجمہ کہہ سکیں قرآن جیسا افصح الکلام ہے اُس کا ترجمہ کچھ تو فصیح ہونا چاہئے مگر باوجود ان غلطیوں کے وہ ترجمہ آج کل تعلیم یافتہ طبقہ میں بڑا مقبول ہے حالانکہ معنوی غلطیوں کے ساتھ اُسمیں لفظی غلطیاں بھی بہت ہیں یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

---

(۱) ذلت والے لقب (۲) ''سو تم نیک کاموں میں تگاپو (تگ و دو) کرو'' سورۂ بقرہ: ۱۴۸ (۲) ''اے ابا! ہم تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے'' سورۂ یوسف: ۱۷ (۳) نہایت گھٹیا ہے۔

حرص کا نام ترقی

میں یہ کہہ رہا تھا کہ ترقی کا عنوان قرآن میں بھی آیا ہے اس لئے یہ عنوان ظاہر میں بہت عمدہ ہے اس کی خوبی میں کلام نہیں ہوسکتا مگر قرآن میں اس کو خیرات کے ساتھ مقید کیا گیا ہے کہ باہم خیرات میں ترقی کرو اب فیصلہ اس پر ہے کہ جس امر میں تم ترقی کی تعلیم دے رہے ہو وہ خیر ہے یا نہیں تو ظاہر ہے کہ تم ترقی مال و حکومت کی تعلیم دے رہے ہو اور اس کا خیر ہونا تم شریعت سے ثابت نہیں کر سکتے شاید تم یہ کہو کہ قرآن میں ہے: ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾(۱) اور: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَاحَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ ﴾(۲) یہاں خیر سے مراد مال ہے لہذا ترقیٔ مال بھی ترقیٔ خیر ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ میں خیر مطلق مراد ہے کہ خیر مطلق میں باہم سبقت کرو اور مال خیرِ مطلق نہیں بلکہ خیر مقید ہے جس کی خیریت کے لئے بہت سی شرطیں ہیں جن کی تم رعایت نہیں کرتے لہذا تم اپنی ترقی مالی کو ترقی خیر نہیں کر سکتے۔ اور جس درجہ میں مال خیر ہے اس درجہ میں طلب مال سے ہم مانع نہیں ہیں بلکہ اُس کو ہم بھی جائز بلکہ فرض کہتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے (كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَالْفَرِيْضَةِ)(۳) مگر تم ہی بتلاؤ کہ جیسی ترقی آج کل (یعنی زمانہ تحریکات میں) ہو رہی تھی کیا وہ خیر تھی کیا اُس میں شریعت سے تجاوز نہ تھا کہ مسلمانوں کو پنڈت کا لقب دیا گیا۔ ہندوؤں کو مولانا کہا گیا قشقے لگائے گئے گائے کے گوشت کو ممنوع کہا گیا مسلمانوں سے قربانی کی گائیں چھینی گئیں اور

(۱) ''اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے'' سورۂ عادیات: ۸ (۲) ''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر کچھ کچھ بتلا جاوے'' سورۂ بقرہ: ۱۸۰ (۴) حلال روزی کمانا نماز روزے کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایک ہندو کی نسبت کہا گیا کہ نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو وہ نبی ہوتا (پھر جن لوگوں نے یہ باتیں کہیں اُن سے قطع تعلق نہیں کیا گیا بلکہ اُن کو بدستور لیڈر مانا گیا ۱۲ظ) وغیرہ وغیرہ اگر اس صورت میں بھی تمہاری ترقی استباق فی الخیر کا مصداق (۱) تھی تو فرعون سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور کامیاب ہونا چاہئیے۔ اس وقت لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی یہ کہتا کہ یہ کام شریعت کے خلاف ہے تو اس کو یہ جواب دیا جاتا کہ تم تو محض مُلّا نے ہو تم کو سیاسیات کی کچھ خبر نہیں یہ وقت جائز و ناجائز کے سوال کا نہیں اب تو جس طرح ہو ترقی حکومت ہونا چاہئے' افسوس ان لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ شریعت میں سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مُلّا نا پن ہی مطلوب ہے اور سلطنت سے مقصود بھی مُلّا نا پن ہی کا پھیلانا ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ (۲) مگر لوگ اسی کو مٹا رہے تھے تو اس صورت میں اس کو ترقی خیر کون کہہ سکتا ہے پس حرص کا عنوان ترقی رکھ لینے سے حقیقت نہیں بدل سکتی مگر ان لوگوں نے تو اس عنوان سے اُس کے عیب کو چھپانا چاہا ہے جب اُس کا نام ترقی رکھ لیا تو اب وہ اُن کے نزدیک مرض اور عیب ہی نہ رہا پھر وہ اُس کا علاج کیا خاک کریں گے۔

ازالۂ حرص کا غلط علاج

مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کو مرض سمجھتے ہیں لیکن وہ اس کا علاج خود کرنا چاہتے ہیں اور الٹا علاج کرتے ہیں اُن کے علاج کا حاصل یہ ہے کہ ایک

(۱) اگر تمہاری ترقی بھی خیرات میں بڑھنے کا مصداق ہے تو پھر فرعون سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہوا (۲) ''یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم دنیا میں ان کو حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں'' سورۂ حج: ۴۱۔

دفعہ خوب جی بھر کر ہوس کو پورا کرلو پیٹ بھر کے گناہ کرلو لڑکوں عورتوں کو خوب گھورلو پھر توبہ کرلیں گے' چنانچہ ایک جنٹلمین مجھ سے ملے جو انگریزی پڑھ رہے تھے اور دین کا بھی کچھ خیال تھا وہ کہنے لگے کہ میری نیت مستقبل کے متعلق یہ ہے کہ انگریزی پڑھ کر بی اے پاس کرکے بڑی سی نوکری کرونگا اور خوب پیٹ بھر کے رشوت لوں گا اور مال جمع کرکے ایک دو گاؤں خرید کر ملازمت کو ترک کردونگا پھر زندگی بھر اللہ اللہ کرونگا' اس غلطی میں جاہل صوفی بھی مبتلا ہیں وہ بھی تقاضائے معصیت کا علاج اسی طرح کرتے ہیں کہ ہوس کو اچھی طرح پورا کرکے پھر توبہ کرلینی چاہیے۔

غلط خیال کی اصلاح

رسول اللہ ﷺ نے اس غلط خیال کا اس حدیث میں جواب دیا ہے اور جواب بھی حکیمانہ دیا ہے حاکمانہ نہیں دیا ضابطہ کا جواب تو یہ بھی کافی تھا کہ یوں فرما دیتے کہ ازالۂ حرص کی نیت سے بھی ہوس پورا کرنا اور ازالۂ تقاضائے گناہ کی نیت سے گناہ کرنا جائز نہیں مگر اس جواب سے فلسفی دماغ والوں کی تسلی نہ ہوتی وہ اس کے ناجائز ہونے کی وجہ نہ سمجھ سکتے اس لئے آپ حکیمانہ جواب دیتے ہیں کہ حرص کے مقتضا پر عمل کرنے سے جی بھر نہیں سکتا کیونکہ انسان کا طبعی خاصہ یہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کے دو جنگل بھی ہوں جن میں سونا چاندی پانی کی طرح بہتے ہوں پھر بھی وہ تیسرے کا طالب ہوگا پس یہ خیال ہی غلط ہے کہ ہوس کے پورا کرنے سے ہوس بُجھ جائے گی بلکہ جتنا اس کو پورا کروگے یہ اتنا ہی بڑھے گی انسان کی ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی تراب سے مراد ترابِ قبر ہے(۱) یعنی موت کے سوا کوئی چیز ہوس کو نہیں بھر سکتی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا خوب ترجمہ کیا ہے ؎

(۱) مٹی سے مراد قبر کی مٹی ہے۔

گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور (۱)

اور موت کو ہوس کا پُر کرنے والا اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے ہوس منقطع ہو جاتی ہے گو پوری اس وقت بھی نہیں ہوتی مگر موت سے قطع حرص اضطراری (۲) ہے اور ایسے وقت میں قطع ہے کہ تم کو اُس قطع سے نفع نہیں پہنچ سکتا مرنے کے بعد تو کفار بھی مومن ہو جائیں گے مگر وہ ایمان کالعدم اور غیر قابل اعتبار (۳) ہے چنانچہ حق تعالیٰ مرتے ہوئے کے ایمان لانے کے نافع نہ ہونے کی تصریح فرماتے ہیں: ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ (۴) کہ عذاب کا معائنہ ہو جانے کے بعد ایمان نافع نہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فراست

اور یہی ایمان مبنی ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ اُس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ جہنم میں کوئی کافر نہ جائیگا؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا فتوے دو سب نے یہ کہا کہ یہ شخص کافر ہے جو نص صریح کا منکر ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کیا اس کے قول میں کچھ تاویل نہیں ہو سکتی، لوگوں نے کہا اس میں کیا تاویل ہوگی، فرمایا ممکن ہے کہ اُس نے کفر لغوی کا ارادہ کیا ہو کفر شرعی مراد نہ لیا ہو اور کافر جب مرتا ہے تو خدا پر ایمان لے آتا ہے لہذا لغۃً وہ مؤمن ہے گو شرعاً چونکہ یہ ایمان معتبر نہیں اس لئے کافر ہے لہذا اُس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم میں جو بھی جائیگا وہ لغۃً مومن ہوگا کافر نہ ہوگا۔ تو ایسے ہی مرتے ہوئے

(۱) دنیا دار کی تنگ نظر کو یا قناعت بھرتی ہے یا قبر کی مٹی (۲) مرنے سے حرص کا منقطع ہونا ایک فعل غیر اختیاری ہے (۳) مرنے کے بعد تو کافر بھی ایمان لے آئے گا لیکن اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں اور کوئی فائدہ نہیں (۴) "سو ان کو ان کا یہ ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا" سورۂ مومن: ۸۵۔

گو سب کی حرص منقطع (۱) ہو جائے گی مگر یہ انقطاع معتبر نہیں اسی لئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے علاج سے قطع تو ہوگئی گو موت ہی کے وقت ہوئی جواب یہ ہے کہ انقطاع آپ کے علاج سے نہیں ہوا بلکہ موت سے اضطراراً (۲) ہوا اس لئے یہ انقطاع مفید نہیں۔

حرص کے مقتضاء پر عمل کا نقصان

پس یہ علاج ہی غلط ٹھہرا کہ خوب گناہ کرنے سے حرص بھر جائیگی ہرگز نہیں بلکہ اُس کو دونی ترقی ہوگی کیونکہ فلسفی مسئلہ ہے کہ جس وقت قوت سے جتنا کام لیا جاتا ہے اُتنا ہی وہ قوت زور پکڑتی ہے اور راسخ ہو جاتی ہے پس نگاہِ بد کرنے سے مرض نگاہ بد کو سکون نہ ہوگا بلکہ اس کی جڑ اور مضبوط ہوگی اور ایک بار گھور لینے سے جو سکون ہو جاتا ہے اس سے دھوکا نہ کھایا جائے کیونکہ یہ عارضی سکون ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے تمباکو کھانے والے کو جب تمباکو کی طلب ہوتی ہے تو اُس وقت ایک بار کھا لینے سے کچھ دیر کو سکون معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت اُس کا اس وقت تمباکو کھا لینا زیادتِ طلب کا سبب ہے اس سے طلب میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ ہر دفعہ کے کھانے میں عادت اور پختہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک بار گھورنے سے تھوڑی دیر کو عارضی سکون ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں عادت پختہ ہو رہی ہے کیونکہ سکون کی وجہ دو ہیں ایک تو خروج علّت سبب ہے کہ جو چیز پریشانی کی علّت تھی وہ اندر سے باہر نکل جائے اور ایک سبب یہ ہے کہ وہ تہہ اور جڑ میں بیٹھ جائے اس سے بھی قدرے سکون ہو جاتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حوض میں ایک ڈھیلا گر پڑے جس سے حوض گدلا ہو جاتا ہے پھر وہ تہہ کے اندر بیٹھ جائے تو تھوڑی دیر میں پانی صاف نظر آنے لگتا ہے مگر وہ ایسا صاف ہے کہ جہاں کوئی ذرا محرِّک ہوگا تو حوض پہلے سے زیادہ گدلا ہو جائیگا اسی طرح یاد رکھو کہ نگاہ بد کرنے سے مرض کو سکون نہیں ہوتا

(۱) ختم ہو جائیگی (۲) مجبوراً۔

بلکہ قوت ہوتی ہے اور اس عارضی سکون کی ایسی حالت ہے کہ جیسے درخت کی جڑ میں جب پانی دیا جاتا ہے تو وہ تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہوجاتا ہے مگر واقع میں غائب نہیں ہوا بلکہ اب وہ شاخوں اور پتوں میں رطوبت بڑھا کر ظاہر ہوگا اور جڑ کو پہلے سے زیادہ مضبوط کریگا پس جو لوگ مقتضائے تقاضا پر عمل کرتے ہیں وہ حقیقت میں تقاضے کو کم نہیں کرتے بلکہ اس کی آبیاری کرتے ہیں۔

جہلائے صوفیاء کی غلطی

یہ میں جہلاء صوفیاء کی غلطی بیان کر رہا ہوں کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو وسوسہ نہ آئے گناہ کا خطرہ نہ آوے اور جب یہ بات حاصل نہیں ہوتی تو وہ اس کی یہ تدبیر کرتے ہیں کہ لاؤ ایک دفعہ اس خطرہ پر عمل کرلیں پھر سکون ہوجائیگا یہ اُن کی سخت غلطی ہے اول تو یہ مطلوب ہی صحیح نہیں کہ گناہ کا خطرہ نہ آئے اگر تم کو گناہ کا وسوسہ اور خطرہ ہی نہ آئے تو پھر طاعات میں تمہارا کمال ہی کیا ہوگا پھر تو تم دیوار کی طرح ہوجاؤ گے اس کو بھی گناہ کا خطرہ نہیں آتا لیکن دیوار اگر زنا نہ کرے تو کیا کمال ہے؟ اندھا نامحرم کو نہ دیکھے تو کیا کمال ہے؟ بہرا غیبت نہ سنے تو کیا کمال ہے؟

صاحبو! نور اسی میں ہے کہ تم کو گناہ کا تقاضا ہو اور تم تقاضے کا مقابلہ کرو گھورنے کو جی چاہے اور نگاہ بد کو روکو پھر دیکھو قلب میں کیسا نور اور انشراح پیدا ہوتا ہے حدیث میں اس کے متعلق وارد ہوا ہے ((وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ)) کہ ”نگاہ بد کو روکنے سے حلاوت ایمان نصیب ہوتی ہے“ بھلا یہ بات اُس شخص کو کہاں نصیب جسے تقاضا ہی نہیں ہوتا اسی لئے مولانا فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن ست   کہ ازو حمام تقوے روشن ست (۱)

---

(۱) خواہشاتِ دنیا مثل خشک لکڑی کے ہے جس سے تقویٰ کا حمام روشن ہوتا ہے۔

اس تقاضے ہی سے تو تقوے کا حمام روشن اور تقوی کا کمال ظاہر ہوتا ہے پس اول تو اس کے نہ ہونے کی طلب ہی جہل ہے پھر اُس کا جو علاج کیا گیا ہے وہ بالکل الٹا علاج ہے۔

وساوس کا حقیقی علاج

بلکہ علاج صرف یہ ہے کہ تقاضے کا مقابلہ کرو اور گو مقابلۂ تقاضا سے یہ تقاضا زائل نہ ہوگا مگر ضعیف ضرور ہوجائیگا جس کے بعد پھر مقاومت سہل (۱) ہوجائیگی اور یہ بھی بڑا نفع ہے کہ دشمن ضعیف ہوجائے۔

رفع اشکال

یہاں سے ایک حدیث سے اشکال رفع ہوگیا وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے ((اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ)) کہ ''جب رمضان آتا ہے تو شیاطین قید کردئے جاتے ہیں'' اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پھر رمضان میں گناہ کیوں ہوتے ہیں؟

اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ سب قید نہیں ہوتے بلکہ بڑے بڑے شیاطین قید ہوتے ہیں جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات ((مَرَدَةُ الشَّیَاطِیْنِ)) آیا ہے تو چھوٹے قید نہیں ہوتے اور رمضان میں صدور معاصی اُنہی کی وجہ سے ہوتا ہے مگر میرے نزدیک اگر سب بھی قید ہوجائیں تب بھی کچھ اشکال نہیں کیونکہ معاصی کا سبب تقاضائے نفس بھی ہے پس شیاطین کے قید ہوجانے کے بعد جو گناہ ہوتے ہیں اُن کا منشا تقاضائے نفس ہے۔

ایک اور سوال

مگر اب یہ سوال ہوتا ہے کہ جب چھوٹے شیاطین قولِ اول پر اور

(۱) مقابلہ آسان ہوجائیگا۔

تقاضائے نفس قولِ ثانی پر گناہ کرانے کے لئے موجود ہیں تو پھر شیاطین کے قید ہونے سے کیا فائدہ ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی نفع ہے کہ چوروں کی جماعت کم ہوجائے رمضان سے پہلے اگر ہزار چور تھے تو اب سو رہ گئے اور دوسرے قول پر تو صرف ایک ہی رہ گیا اور ظاہر ہے کہ ایک چور کا ہونا ایک جماعت کے ہونے سے سہل ہے اس کا مقابلہ آسان ہے یہی وجہ ہے کہ رمضان میں اور دنوں سے کم گناہ ہوتے ہیں تو جو شخص تقاضے کے ضعیف کرنے کے لئے اس کے مقتضا پر عمل کررہا ہے وہ درخت کو پانی دیکر گرانا چاہتا ہے حالانکہ پانی سے تو جڑ اور مضبوط ہوگی اس کی صورت تو یہی ہے کہ اس کو بالکل سکھادو تاکہ جڑ کمزور ہوجائے پھر وہ خود ہی گر پڑے گا بس ان لوگوں کے علاج کی وہی حالت ہے جس کو طبیب روحانی کی حکایت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُس نے دوسرے طبیبوں کے علاج کو سنکر کہا تھا۔

گفت ہر دارو کہ ایشان کردہ اند　　آں عمارت نیست ویراں کردہ اند
بے خبر بودند از حالِ دروں　　استعیذُ اللہ مما یفترون (۱)

خودرائی کے علاج کی یہی گت ہوتی ہے کہ اُس سے الٹا مرض ہی بڑھتا ہے۔

رہبر کی ضرورت

اس لئے اس طریق میں دستگیر کی ضرورت ہے اپنے آپ یہ راستہ طے نہیں ہوسکتا مگر دستگیری سے مراد ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت کرنا نہیں ہے بلکہ دستگیری سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص راہ بتانے والا ہو اور تم اُس کا اتباع لازم سمجھو بیعت کی

(۱) میرے علاج کے لئے انہوں نے جو بھی دوا دی اس سے صحت ہونے کی بجائے بیماری بڑھی وہ طبیب چونکہ اندرونی حالت سے بے خبر ہیں میں ان کے علاج سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

ضرورت نہیں دستگیری بدون بیعت کے بھی ہوسکتی ہے، دیکھو اگر کوئی اندھا حافظ کسی لڑکے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلے تو کیا وہ اس کا مرید ہوگیا ہرگز نہیں مگر لڑکا حافظ جی کا دستگیر ضرور ہے کیونکہ راستہ دیکھنے کے فن میں وہ حافظ جی سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ بصیر ہے(۱) اور حافظ جی ضریر(۲) ہیں یعنی اندھے وہ ان کی دستگیری کر کے منزل پر ضرور پہنچا دیگا۔

ناقص پیر

بشرطیکہ وہ ایسا دستگیر نہ ہو جیسے ایک حافظ جی دعوت کھا کر ایک لڑے کے ساتھ واپس ہورہے تھے راستہ میں کھائی یعنی خندق آئی تو لڑکے نے کہا حافظ جی کھائی تو وہ فرماتے ہیں ہاں بیٹا خوب کھائی اُس نے پھر کہا حافظ جی کھائی اور وہ یہی کہتے رہے ہاں بیٹا خوب کھائی آخر کو گڑھے میں گر پڑے تو اس پر خفا ہوئے کہ تو نے بتلایا کیوں نہیں؟ اُس نے کہا کہ میں نے تو بار بار کہا تھا حافظ جی کھائی حافظ جی کھائی تو آپ فرماتے ہیں کہ تجھے یوں کہنا چاہیئے تھا حافظ جی خندق۔

تو ایسا دستگیر تو واقعی دھکے دیگا جو مخاطب کی حالت کو سمجھ کر اُس کے موافق علاج نہ کرے اور اگر دستگیر کامل ہے تو وہ ضرور منزل پر پہنچا دیگا اگر تم اُس کا اتباع اور انقیاد کرتے رہے باقی بیعت تو جھگڑا ہے۔

حقیقتِ بیعت

اصل بیعت تو انقیاد ہی ہے چنانچہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو خوب سمجھا۔ حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حاجی صاحب میں یہ معاہدہ

(۱) آنکھوں والا (۲) نابینا۔

قرار پایا تھا کہ جہاں ایک صاحب بیعت ہوں وہ دوسرے کو خبر کردیں وہ بھی اُنہی بزرگ سے بیعت ہوں گے پھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لوہاری جاکر میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تذکرہ کرنا بھول گئے جب حافظ صاحب نے دیکھا کہ یہ بار بار لوہاری جاتے ہیں تو دریافت کیا کہ آپ بار بار لوہاری کیوں جایا کرتے ہیں؟ تب فرمایا کہ میں ایک بزرگ سے بیعت ہوگیا ہوں فرمایا اور ہم سے تم سے تو معاہدہ ٹھہرا تھا کہ دونوں ایک ہی جگہ بیعت ہوں گے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے کیوں نہ تذکرہ کیا' فرمایا میں بھول گیا تھا اب چلے چلو چنانچہ حافظ صاحب بھی ہمراہ ہولئے جب آپ لوہاری پہنچے تو میانجی صاحب نے دریافت فرمایا کہ حافظ صاحب کیسے آئے؟ عرض کیا حضرت بیعت کے ارادے سے آیا ہوں فرمایا بھائی میں تو بزرگ نہیں ہوں ایک میانجی ہوں بچوں کو پڑھاتا ہوں کسی بزرگ سے بیعت ہونا چاہئے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اپنا ارادہ عرض کردیا آگے آپ کو اختیار ہے اس کے بعد حافظ صاحب ہمیشہ لوہاری آتے جاتے رہے اور بیعت کے لئے پھر عرض نہیں کیا آخر میانجی صاحب نے خود ہی ایک بار فرمایا کہ حافظ صاحب کیا اب بھی وہی خیال ہے؟ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دل سے بیعت ہوچکا ہوں کیونکہ بیعت اعتقاد ہی ہے باقی بزرگوں پر اصرار کرنا بے ادبی ہے اس لئے صورت بیعت پر میں نے اصرار نہیں کیا' فرمایا اچھا وضو کر کے آجاؤ اور بیعت ہوجاؤ۔

تو دیکھئے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صورت بیعت پر اصرار نہیں فرمایا بس اپنے اعتقاد و انقیاد کو کافی سمجھا پھر خود ہی شیخ نے بیعت کے لئے فرمایا تو صورت بیعت بھی نصیب ہوگئی مگر جیسے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ نے دیر سے بیعت کیا تھا ایسے ہی وہ بھی بہت دیر میں بیعت کرتے تھے انہوں نے اپنے مریدوں سے اس

کی کسر نکالی چنانچہ عمر بھر میں آٹھ سے زیادہ آپ کے مرید نہیں میں تو کہا کرتا ہوں کہ آپ نے حاملانِ عرش کی شمار پوری کردی وہ بھی آٹھ ہی ہیں۔

حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کا قصہ

اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت جلد بیعت کر لیتے تھے کیونکہ آپ کو میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً بیعت کرلیا تھا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے شاہ نصیرالدین صاحب سے بیعت ہوئے تھے پھر تکمیل سے پہلے اُن کا وصال ہوگیا تھا تو حضرت کو دوسرے شیخ کی تلاش تھی اور اس تلاش میں بے چین تھے اور شاہ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا کبھی کبھی ارادہ ہوتا تھا کیونکہ اُس وقت وہ مشہور تھے اسی عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا اپنے مشائخ میں سے کسی کو (الشك مــنــی) آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بزرگ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی صاحب کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے شیخ ہیں۔ حاجی صاحب خواب سے بیدار ہوئے تو بڑے پریشان تھے کہ یا اللہ یہ کون بزرگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں کیونکہ خواب میں پتہ کچھ نہیں بتلایا گیا آخر ایک دن کسی شخص سے میانجی صاحب کا تذکرہ سنا تو قلب کے اندر میانجی صاحب کی طرف ایک خاص کشش پائی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو یہاں سے قریب لوہاری ہی میں رہتے ہیں تو حضرت نے زیارت کا ارادہ کیا اب حالت یہ تھی کہ جوں جوں لوہاری کی طرف بڑھتے جاتے اُسی قدر دل میں کشش بڑھتی جاتی جیسے کوئی کھینچ رہا ہو جب لوہاری پہنچے اور میانجی صاحب کی صورت دیکھی تو بعینہ وہی صورت تھی جو خواب میں دکھائی گئی تھی اب تو حاجی صاحب کی اور ہی حالت ہوئی قریب جا کر سلام عرض کیا تو میانجی نے دریافت فرمایا کہ صاحبزادے کیسے آنا ہوگیا بس حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر

گریہ طاری ہوگیا اور جوش میں عرض کیا کہ کیا حضرت کو معلوم نہیں ہے، نہ معلوم اسوقت حاجی صاحب پر کیا حالت تھی اس کے جواب میں میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ صاحبزادے خواب وخیال کا کیا اعتبار، اس میں خواب کی طرف اشارہ تھا اب تو حاجی صاحب کو اور بھی یقین ہوگیا اور زیادہ گریہ طاری ہوگیا اب میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تسلی فرمائی کہ آپ گھبرائیں نہیں جو تم چاہتے ہو وہی ہوجائیگا چنانچہ فوراً بیعت فرمالیا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہی اثر غالب تھا کہ طالب کو پریشان نہیں کرتے تھے مگر دونوں صاحبوں کی نیت بخیر تھی حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ﴿وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ﴾ پر تھی اس لئے فیض کو عام کر رکھا تھا اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اس پر تھی کہ سلسلہ کی بے قدری نہ کرنا چاہئے بلکہ اچھی طرح طلب کا امتحان کرنے کے بعد بیعت کرنا چاہئے الغرض صورت بیعت کی تو ضرورت نہیں مگر کسی کو رہبر بنالینے اور اُس کی اتباع کرنے کی اس طریق میں بہت ضرورت ہے اپنی رائے پر عمل کرنا اس طریق میں سخت مضر ہے کیونکہ ((رأی العلیل علیل))(۱) مولانا فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو — بے قلاوز اندریں صحرا مرو
ہر کہ تنہا باید دراں رہ رابرید — ہم بعون ہمت مردان رسید(۲)

گناہ کے تقاضے پر عمل کا نقصان

یہ اپنی رائے ہی سے علاج کرنے کا نتیجہ ہے کہ بعض جاہل تقاضائے معصیت کے مقتضاء پر عمل کر کے اس کا علاج کرنا چاہتے ہیں ایک سالک میرے

(۱) بیمار کی رائے بیمار ہی ہوتی ہے (۲) راہِ سلوک قطع کرنے کے لئے رہبر ہونا چاہئے اکیلے یہ راہ قطع نہ کریں بغیر رہبر کے اس صحراء میں داخل نہ ہو ہر وہ شخص جس نے تنہا یہ راہ سفر طے کیا اس نے بھی بزرگوں کی توجہ ہی سے اس سفر کو طے کیا ہے۔

ساتھ سفر میں بڑوت کے رستہ میں تھے وہ اسی مرض میں مبتلا تھے کہ نظر بد کو مفید سمجھتے تھے تا کہ تقاضا فرو[1] ہوجائے پھر میں نے اُن کو اس غلطی پر متنبہ کیا کہ اس طرح تو مرض دن بدن بڑھتا جائیگا ہرگز سکون نہ ہوگا۔

صاحبو! یہ الٹا علاج معصیت تو ہے ہی مگر اس میں کفر کا بھی اندیشہ ہے کیونکہ یہ شخص معصیت کو مضر نہیں سمجھتا بلکہ مفید سمجھتا ہے اور اس کو طاعت کا مقدمہ بناتا ہے اور مقدمۂ طاعت طاعت ہے تو اس نے گویا گناہ کو طاعت سمجھا اور یہ قریب کفر ہے اسی لئے ایک بزرگ نے عوام کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اگر تم غلطی کرتے ہو تو طاعات سے معاصی میں آتے ہو اور ہم غلطی کرتے ہیں تو ایمان سے نکل کر کفر میں جاتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ طریق نہایت لطیف ہے اور غذا جتنی لطیف ہوتی ہے اتنی ہی جلدی سڑتی بھی ہے اور سڑنے کے بعد اُس میں کثیف غذا سے زیادہ تعفن ہوتا ہے۔

بیعت ہونے سے لوگوں کی اغراضِ فاسدہ

اس لئے ضرورت ہے کہ اس طریق میں کسی کو رہبر اور دستگیر بنایا جائے ورنہ کفر تک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور جس کو رہبر بنایا جائے اس کے اتباع کی ضرورت ہے صرف بیعت کافی نہیں مگر اب تو اس لئے بیعت ہوتے ہیں کہ آئے دن مقدمات وامراض وغیرہ میں تعویذوں کی ضرورت ہوتی ہے اور تعویذ گنڈے والے ہر دفعہ فیس طلب کرتے ہیں تو انہوں نے ایک کو پیر بنالیا تا کہ عمر بھر کے لئے مفت تعویذ لکھوانے کا ٹھکانا ہوجائے یا یہ نیت کرتے ہیں کہ مقدمات میں دعا کرنے کو اور اللہ میاں سے لڑنے بھڑنے کو ایک شخص کو پیر بنالو واقعی آجکل بہت لوگوں کا یہی خیال ہے کہ یہ مشائخ اللہ میاں کے سرشتہ دار ہیں کہ بس جس بات کے

(۱) ختم ہوجائے۔

لئے دعا کردینگے وہ ضرور ہوجائے گی اللہ تعالیٰ ان کے خلاف کر ہی نہیں سکتے نعوذ باللہ یا بعض کا یہ خیال ہے کہ پیر آخرت میں ہمارے گناہ اپنے سر لادے گا اور ہمیں بخشوالے گا پھر جو چاہو کرو تو پیر کیا ہوا بھنگی ہوا کہ تمہارا پاخانہ اٹھائے گا استغفراللہ۔

روزِ محشر تمام انبیاء علیہم السلام کا سفارش کرنے سے انکار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارش کرنے کی وجہ

ارے میاں قیامت کے دن انبیاء کا تو پتہ پانی ہوجائیگا پیر بے چارے کی تو کیا ہستی ہے، کیا تم کو شفاعت کی حدیث یاد نہیں کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اول جائیں گے کہ حق تعالیٰ سے اپنی اولاد کے لئے سفارش کردیجئے وہ کہیں گے نَفْسِیْ نَفْسِیْ مجھے اپنی ہی فکر ہے مجھ سے ایک قصور ہوگیا تھا اگر آج سوال ہوگیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس کے بعد پھر نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو سب نَفْسِیْ نَفْسِیْ کہیں گے اور کچھ نہ کچھ عذر کردیں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کے لئے آمادہ ہوجانا اور کوئی عذر نہ کرنا اس وجہ سے نہ ہوگا کہ آپ خدا تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہیں (استغفراللہ) آپ تو سب سے زیادہ خائف ہیں ((اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ))(۱) مگر آپ کو اشارہ اور اذن ہوجائیگا اس لئے آپ عذر نہ کریں گے کیونکہ حق تعالیٰ کے یہاں بدون اذن کے کوئی شفاعت نہیں کرسکتا نص موجود ہے: ﴿مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ﴾(۲) اس لئے ماننا پڑیگا کہ آپ اذن کے بعد شفاعت فرمائیں گے اور اذن کے بعد جو شفاعت ہوگی اُس کی تو یہ حالت ہوگی ؎

(۱) میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (۲) ''ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس سفارش کرسکے بدون اس کی اجازت کے'' سورۂ بقرۃ: ۲۵۵۔

ہم دعا از تو اجابت ہم زتو　　ایمنی از تو مہابت ہم زتو(۱)

اور

ماچو چنگیم و تو زخمہ می زنی　　زاری ازمانے تو زاری میکنی (۲)

جب وہ خود کہہ دینگے کہ تم شفاعت کرو ہم قبول کرینگے تو پھر یوں کہنا چاہیئے کہ وہ خود ہی بخشنا چاہتے ہیں بخشوانے کا نام ہی نام ہوگا باقی اگر وہ بخشنا نہ چاہیں تو انبیاء بھی کسی کو نہیں بخشوا سکتے پھر بے چارے پیر تو کس شمار میں ہیں پس یہ خیالات تو محض لغو ہیں اور اس نیت سے بیعت ہونا کچھ مفید نہیں۔

شیخ کا فائدہ

بلکہ اس طریق میں شیخ کے وجود کی مصلحت یہ ہے کہ وہ غلطیوں پر متنبہ کرتا ہے مقدمات میں دعا کرنے اور تعویذوں کے واسطے وہ نہیں ہے نہ وہ قیامت میں بخشوانے کا ذمہ دار ہے ان خیالات کو قلب سے نکال دینا چاہئے اور شیخ کو بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ نہ معلوم آخرت میں پیر مرید کو بچائے یا مرید پیر کو بچائے؟ شیخ اپنے کو مریدوں سے بڑا نہ سمجھے کیا معلوم خدا تعالیٰ کے یہاں کون بڑا ہے اس لئے شیخ کو بھی چاہئے کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرتا رہا کرے اور معاملات میں اُن سے رائے لیا کرے اور عام مسلمانوں سے دعا بھی کرائے۔

غرض حضور ﷺ حرص کا صحیح علاج بتلاتے ہیں جس کے ساتھ ساتھ تمہارے علاج کی غلطی بھی معلوم ہوگئی کہ زیادہ مال جمع کرنا حرص کو کم نہ کرے گا اس سے تو مال کی حرص اور زیادہ ہوگی کم نہ ہوگی دوسرے زیادہ مال ہونے سے پھر

---

(۱) دعا کرنے کا حکم بھی تیری طرف سے ہے اور قبول بھی تو کریگا بے خوفی بھی تیری طرف سے اور خوف وہیبت بھی تیری طرف سے (۲) میں تجھ سے راحت و آرام چاہتا ہوں تو مجھے زخم دیتا ہے۔ میں مال دولت چاہتا ہوں تو غم میں مبتلا کرتا ہے۔

اُس کی حفاظت کی حرص ہوگی اور اس سے مال کے ساتھ تعلق بڑھے گا ہر وقت اسی دُھن میں رہو گے کہ اس روپیہ کو کہاں رکھوں کس طرح بڑھاؤں پس زیادتی مال سے تو پریشانی دن بدن بڑھے گی کم نہ ہوگی مولانا فرماتے ہیں ؎

جاں ہمہ روز از لکد کوب خیال میشود مجروح و خستہ پائمال
نے صفا میماندش نے لطف و فر نے بسوئے آسماں راہِ سفر(۱)

طریقِ سلوک میں مبتدی اور منتہی میں فرق

اور یہ تعلقات مبتدی کو تو بہت ہی مضر ہیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نواب محمود صاحب رئیس چھتاری کو لکھا تھا کہ آپ مکہ میں بہ نیت ہجرت آنا چاہتے ہیں تو یہاں رہ کر اپنے لئے صرف اتنی رقم منگانے کا انتظام کیجئے جو آپ کے خرچ کے لئے کافی ہو تقسیم کے واسطے نہ کوئی رقم ساتھ لانا نہ وہاں سے منگانے کا انتظام کرنا حالانکہ یہ صدقہ تھا جو موجب ثواب ہے مگر مبتدی کو یہ بھی مضر ہے کہ اس جھگڑے میں پڑے کہ صدقہ کس کو پہنچا اور کون رہا اور رقم اب تک کیوں نہیں آئی کہاں دیر ہوئی اور اپنے آپ کو دینے والا اور دوسروں کو اپنا محتاج سمجھے ہاں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جیسے اقویاء کو یہ تعلقات مضر نہیں ان کی نسبتیں راسخہ تھیں اس لئے ان تعلقات سے اُن کی توجہ الی اللہ کم نہیں ہوئی۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی مال دولت سے بے رغبتی

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بڑا ساز و سامان تھا سلطنت جیسے ٹھاٹ تھے مگر مال سے بے تعلقی کی یہ حالت تھی کہ ایک فقیر نے آپ کا امتحان لینا

(۱) جان ہر وقت خیالی جام کو لات مار کر توڑ رہی ہے خستہ و پامال کر رہی ہے نہ صفا و خلوص باقی ہے نہ شان و شوکت کا لطف نہ ترقی کے لئے آسمان کا سفر ہے۔

چاہا کہ دیکھوں کو مال سے کتنا تعلق ہے اُس نے ایک دن خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ اس سال آپ کے ساتھ حج کروں اُس نے دل میں سوچا ہوگا کہ خواجہ صاحب انتظام ریاست کا عذر کر کے کچھ طویل میعاد مقرر کریں گے مگر وہاں کیا دیر تھی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً رومال جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا بہت اچھا چلو' فقیر نے کہا حضرت ریاست کا تو کچھ انتظام فرما دیجئے فرمایا یہ تو خدا کا مال ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لیں گے میں تو ایک برائے نام محافظ ہوں اگر میں نہ ہونگا تو وہ کسی دوسرے کو میری جگہ مقرر کر دینگے مجھے انتظام کی ضرورت نہیں اُس نے کہا اچھا میں ذرا کمبل اور کپڑے گھر سے لے آؤں۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بس اسی پر اپنے کو دنیا سے بے تعلق سمجھتے ہو مجھے تو اتنی بڑی ریاست کی بھی فکر نہ ہوئی اور تمہارا دل ابھی تک کمبل اور کپڑوں ہی میں اٹکا ہوا ہے درویش اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ سلطنت کرتے تھے مگر اُس سے ایسے بے تعلق تھے کہ اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ بھی نامزد نہیں کیا نہ اس کا مرتے ہوئے کچھ تذکرہ کیا نہ یہ فکر ہوئی کہ میرے بعد سلطنت کا کیا حال ہوگا صرف دو وصیتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ خلافت چھ آدمیوں کے مشورہ پر ہے یہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں دوسرے یہ کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کا خلافت میں تو کوئی حق نہیں مگر خلیفہ کو ان سے مشورہ کرتا رہنا چاہئے (لِاَنَّہٗ رَجُلٌ صَالِحٌ) ''کیونکہ وہ نیک آدمی ہیں'' تو جو شخص ان تعلقات میں مبتلا ہو کر ان سے ایسا بے تعلق ہو اس کو تو ضرر (۱) نہیں ہوتا ورنہ عام طور پر تعلقات مضر ہیں (۲) ان سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اس وقت تو یہ بات تقلیداً مان (۳) لی جائے پھر جب آپ کو تعلق مع اللہ

(۱) اس کو نقصان نہیں ہوتا (۲) نقصان دہ (۳) صرف میرے کہنے سے میری تقلید کرتے ہوئے مان لی جائے۔

کے نور کا احساس ہوگا اس وقت ان تعلقات کی ظلمت کا بھی احساس ہو جائیگا۔

غرض حرص کا یہ علاج تو غلط ہے اور اس سے ہرگز ہوس نہیں بھرتی۔

شبہ کا جواب

اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم نے ایک دفعہ وسوسۂ گناہ کے بعد جی بھر کے گناہ کرلیا تھا پھر توبہ کرلی تھی تو پھر اس کے بعد واقعی ہم کو اس گناہ کی ہوس نہیں ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ جی بھر کے گناہ کر لینے سے ہوس بھر جاتی ہے تو وہ علاج غلط نہ ہوا۔

سالکین اس کا جواب خوب کان لگا کر سن لیں کہ یہ نفع جی بھر کے گناہ کرنے کا نہیں بلکہ وہاں دو چیزیں تھیں ایک جی بھر کے گناہ کرنا دوسرے یہ ارادہ کرنا کہ پھر نہ کروں گا تو یہ برکت اس عزم ترک کی ہے (۱) جس کو تم جی بھر کے گناہ کرنے کا اثر سمجھتے ہو اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک دوا گلے سے نیچے نہ اترتی تھی مریض نے پانی کے ساتھ اس کو نگل لیا تو گلے سے اُتر گئی اور اُس سے نفع ہوا اب وہ بے وقوف یہ سمجھنے لگا کہ یہ نفع پانی سے ہوا ہے اور اُسے مفید سمجھ کر خوب پینے لگا تو ظاہر ہے ایک دن مریگا اور اُس بے وقوف سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ میاں نفع تو دوا سے ہوا تھا پانی کو اُس میں کچھ دخل نہ تھا اُس نے محض گلے سے اُتارا تھا اور اگر تم ہمت کر کے ویسے ہی نگل جاتے جب بھی نفع ہو جاتا تمہارا پانی کو مفید سمجھنا حماقت ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ یہ نفع محض عزمِ ترک کا ہے گناہ کرنے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔

تقاضائے گناہ کے دور ہونے کی وجہ

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ کچھ ہی سہی مگر نفع تو ہوا اور جی بھر کے گناہ کرنے

(۱) ترک کرنے کے پختہ ارادے کی برکت تھی۔

سے تقاضا تو رفع ہوا چاہے عزم ترک کے اقتران (۱) ہی سے سہی تو میں بقسم کہتا ہوں کہ اقتران کو نفع میں کچھ دخل نہیں بلکہ محض عزمِ ترک ہی کو دخل ہے بلکہ اس عزم کو ساتھ گناہ کے منضم (۲) ہو جانے سے نفع دیر میں ہوا اگر گناہ منضم نہ ہوتا تو نفع جلدی ہوتا (بلکہ انضمامِ گناہ کے ساتھ عزم ترک سے کچھ نفع ہو جانا شاذ و نادر ہے ورنہ زیادہ تر یہ ہے کہ ارتکاب گناہ سے پہلے تو عزم ترک بعض میں ہوتا ہے مگر گناہ کر لینے کے بعد باقی نہیں رہتا گناہ سے اکثر یہ عزم ضعیف و معدوم ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ شاذ پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے اگر کسی کو اتفاقاً زہر نقصان نہ دے تو اس سے زہر کو نافع نہیں کہہ سکتے خوب سمجھ لو ۱۲ ظ)۔

حرص کا علاج

اب رسول اللہ ﷺ ازالۂ حرص کا صحیح علاج بتلاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے: ((وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ)) اس میں توبہ کو علاج حرص بتلایا گیا ہے جس کے معنی ہیں توجہ الی اللہ اور اس کا حرص کے لئے علاج ہونا ایک قاعدہ فلسفیہ سے سمجھ میں آجائیگا وہ قاعدہ یہ ہے: ((اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰى شَيْئَيْنِ فِيْ آنٍ وَاحِدٍ)) کہ ''نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا'' اور ظاہر ہے کہ حرص کی حقیقت توجہ اور میلان الی الدنیا ہے (۳) اب اس توجہ کو کسی دوسری شئے کی طرف پھیر دیا جائے تو توجہ الی الدنیا (۴) باقی نہ رہے گی پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جائے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہو تو اس کی طرف توجہ اشد ہوگی (۵) اور اُس سے توجہ الی الدنیا کا

(۱) گناہ کا تقاضا تو ختم ہوا چاہے نہ کرنے کے پختہ ارادے کے ملنے کی وجہ سے ہی ہوا ہو (۲) اس ارادے کے ساتھ گناہ کے مل جانے کی وجہ سے (۳) دنیا کی طرف متوجہ اور مائل ہونا ہے (۴) اس توجہ کو کسی دوسری چیز کی طرف پھیر دیں تو دنیا کی طرف توجہ باقی نہیں رہے گی (۵) اگر وہ چیز طبعی طور پر پسندیدہ بھی ہو تو توجہ زیادہ ہوگی۔

ازالہ بھی قوی ہوگا اور اگر ایسی شے کی طرف توجہ کی جائے جو طبعاً محبوب نہ ہو تو اس صورت میں یہ توجہ کمزور ہوگی۔

تعلق مع اللہ فطری ہے

اب سمجھو کہ حق تعالیٰ سے ہر شخص کو فطری تعلق ہے اور ذاتِ حق کی طرف ہر اک کو میلان طبعی ہے فقط مسلمان ہی کو نہیں بلکہ کافر کو بھی کیونکہ انسان کو جس چیز سے بھی محبت ہوتی ہے تو کسی سبب سے ہوتی ہے اور وہ اسباب یہ ہیں حسن و جمال یا جود و نوال یا فضل و کمال (۱) اور جس میں یہ اسباب قوی ہوں گے اُس سے محبت بھی قوی ہوگی۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہ اوصاف بالذات حق تعالیٰ ہی میں ہیں دوسری اشیاء میں بالعرض ہیں پس یوں کہنا چاہیئے کہ محبت اور میلان حقیقت میں خدا تعالیٰ ہی کی طرف ہوتا ہے اور دوسری اشیاء کی طرف میلان محض اس وجہ سے ہے کہ اُن میں صفات حق کا ظل (۲) ظاہر ہو رہا ہے لیکن ان چیزوں پر نظر کا منحصر ہو جانا اس لئے ہے کہ لوگوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ یہ اوصاف حقیقت میں حق تعالیٰ کے اندر ہیں جس وقت یہ معلوم ہوگا کہ حضرت حق ہی محسن و منعم (۳) ہیں اور وہی حسین و جمیل اور صاحب فضل و کمال ہیں اور مخلوقات میں محض اُن کا ظل (۴) ہے اُس وقت ہر شخص حق تعالیٰ ہی کی طرف مائل و متوجہ ہوگا۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج کا حاصل ہوا کہ اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دو اور چونکہ حق تعالیٰ سے طبعی تعلق ہے اس لئے یہ توجہ اشد و اکمل ہوگی تو جتنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی اتنی ہی دنیا سے توجہ ہٹے گی کیونکہ دو چیزوں کی طرف نفس متوجہ نہیں ہو سکتا۔

---

(۱) خوبصورتی، داد و دہش، علم و فضل (۲) عکس ظاہر ہوا (۳) احسان و انعام کرنے والے ہیں (۴) عکس۔

عجب اور ناز کا علاج

مگر اس علاج میں ایک غلطی ہوجاتی ہے وہ یہ کہ جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو عجب و ناز میں (۱) مبتلا ہوجاتا ہے اور اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگتا ہے کہ میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر کامل ہوگیا ہوں رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح حدیث کے عنوان ہی سے کردی ہے وہ یہ کہ آپ نے یہاں پر ((تُوبُوْا اِلَی اللّٰہ)) نہیں فرمایا بلکہ ((یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ))(۲) فرمایا ہے جس میں ((مَنْ تَابَ)) میں تو حرص کا علاج مذکور ہے کہ توجہ الی اللہ (۳) اس کا علاج ہے اور ((یَتُوْبُ اللّٰہُ)) بڑھا کر یہ بتلا دیا کہ محض تمہاری توجہ سے یہ مرض زائل نہ ہوگا بلکہ علت تامہ کا جزو اخیر ایک اور چیز ہے (۴) وہ یہ کہ تمہاری توجہ کے بعد حق تعالیٰ بھی تم پر توجہ فرمائیں گے تب یہ مرض زائل ہوگا اور جب خدا تعالیٰ کی توجہ علت تامہ کا جزو اخیر ہے تو اصل علاج خدا کی توجہ ہے محض تمہاری توجہ کافی نہیں اس میں عجب و ناز کا علاج ہوگیا کہ اپنی توجہ اور طاعات پر ناز نہ کرنا کیونکہ اُس سے کچھ نہیں ہوا بلکہ کام تو خدا کی عنایت سے بنا ہے۔

حدیث میں مذکور مضامین

اب اس مختصر حدیث میں چار مضمون بیان ہوگئے ایک یہ کہ حرص مرض ہے دوسرے یہ کہ اس کے مقتضا پر عمل کرنے اور اسمیں زیادتی کرنے سے تقاضا فرو نہ ہوگا بلکہ دونا بڑھے گا (۵)۔ تیسرے یہ کہ اس کا علاج توجہ الی اللہ ہے چوتھے یہ کہ اصل علاج خدا کی توجہ ہے جو عادۃً بندہ کی توجہ پر مرتب و متفرع (۶) ہوجاتی ہے۔

---

(۱) خود پسندی و بڑائی (۲) جو اللہ سے توبہ کرے اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں (۳) اللہ کی طرف متوجہ ہونا (۴) اس کا حقیقی سبب صرف تمہارا متوجہ ہونا نہیں بلکہ اللہ کا تمہاری طرف متوجہ ہونا ہے (۵) تقاضا مٹے گا نہیں بلکہ مزید بڑھے گا (۶) یعنی عادت اللہ یہ ہے کہ جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف مائل ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔

توجہ الی اللہ کی حقیقت

جب حرص کا صحیح علاج معلوم ہوگیا تو اب سمجھئے کہ توجہ الی اللہ کیا چیز ہے بس اسی پر میں بیان ختم کردوں گا بعض نے تو یہ سمجھا ہے کہ توجہ الی اللہ یہ ہے کہ نماز پڑھے روزہ رکھے اور احکام شرعیہ بجالائے ان لوگوں نے ظاہری اعمال پر اکتفا کیا یہ لوگ دل سے خدا کی طرف متوجہ ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے مگر پھر وہ سوچتے ہیں کہ باوجودیکہ ہم سب کچھ کررہے ہیں لیکن اس میں برکت اور نورانیت کیوں نہیں پیدا ہوتی تقاضائے معصیت مضمحل (۱) کیوں نہیں ہوتا چنانچہ آپ بہت سے نمازیوں کو گناہ میں مبتلا پائیں گے۔

اور بعض نے یہ کہا کہ توجہ الی اللہ کے معنی صرف یہ ہیں کہ دل سے خدا کی طرف متوجہ ہو یہ لوگ ذکر و شغل اور مراقبات ہی کو لے بیٹھے انہوں نے نماز روزہ اور تلاوت قرآن اور نظر بد کا بچانا وغیرہ سب چھوڑ دیا مگر ان کو بھی برکت اور نورانیت حاصل نہ ہوئی کیونکہ یہ لوگ بھی معاصی میں مبتلا ہوجاتے اور دل میں گناہوں کا تقاضائے شدید پاتے ہیں تو سنو! کہ توجہ الی اللہ کی حقیقت تو یہی ہے کہ خدا کی طرف دل سے متوجہ ہو مگر ہر حقیقت کی ایک صورت بھی ہوتی ہے اور توجہ الی اللہ کی صورت وہی ہے جو شریعت نے بتلائی ہے پس دونوں کو جمع کرنا چاہئے کہ دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو اور ظاہر سے اعمالِ شرعیہ کے پابند رہو طاعات کو بجالاؤ اور معاصی سے بچنے کا اہتمام کرو نگاہ کو روکو اور نامحرموں کی باتیں بھی نہ سنو اس کے بعد بھی اگر نورانیت حاصل نہ ہو تو ہم پر ہنسنا اس وقت میں وہی کہتا ہوں جو ایک صاحب طریق نے کہا ہے ؎

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند گر نہ بینی نورِ حق بر ما بخند (۲)

(۱) گناہ کا تقاضا کمزور کیوں نہیں ہوتا (۲) بدنظری سے آنکھیں بند کرو غیبت اور جھوٹ سے زبان روکو بُری باتیں سننے سے کان بند کرلو پھر اگر تم کو حق تعالیٰ کے انوار نظر نہ آئیں تو مجھ پر ہنسنا۔

اس وقت غلطی یہ ہو رہی ہے کہ بعض تو اعمالِ ظاہرہ کے تارک ہیں اور بعض اعمالِ باطنہ کے تارک ہیں اس لئے توجہ الی اللہ کامل طور سے حاصل نہیں ہوتی دونوں کو جمع کرنا چاہیے پھر ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

نماز کے بارے میں عورتوں کی کوتاہی

اب میں دونوں کی قدرے تفصیل بتلاتا ہوں۔ اعمال ظاہرہ میں سب سے اہم نماز ہے اس میں خصوصًا عورتیں بہت کوتاہی کرتی ہیں بعض تو پڑھتی ہی نہیں ہیں اور ایسی ہی زیادہ ہیں اور بعض پڑھتی ہیں مگر اُن کا قرآن صحیح نہیں ہے اور نہ تصحیح کا اہتمام ہے اور بعض کا قرآن بھی صحیح ہے تو وہ وقت کو بہت تنگ کر دیتی ہیں ظہر کی نماز عصر کے وقت اور عصر کی مغرب کے وقت پڑھتی ہیں (حالانکہ مردوں کے لئے تو بعض اوقات میں تاخیر مسنون بھی ہے مگر عورتوں کے لئے تو سب نمازیں اول وقت پڑھنا افضل ہے مگر یہ اول تو اول اخیر میں بھی نہیں پڑھتیں بلکہ اکثر قضا پڑھتی ہیں ۱۲ ظ) بعض اُن نمازوں کو قضا نہیں کرتیں جو ہر مہینے میں ان سے غسل کی تاخیر کے سبب فوت ہو جاتی ہیں اگر احتیاط کریں اور مسئلہ کو اچھی طرح معلوم کرلیں تو اول تو ایسی نوبت ہی نہ آئے اور جو غلطی سے ایسا ہو جائے تو جلدی قضا کرنا چاہیے۔ غرض اعمالِ ظاہرہ میں نماز سب سے زیادہ اہم ہے اس کی اچھی طرح پابندی کرنی چاہیئے اور دل لگا کر نماز پڑھا کریں جلدی جلدی سر سے بیگار نہ اُتاریں۔

حقوقِ روزہ میں عورتوں کی بے احتیاطی

باقی روزہ میں تو عورتیں بڑی بہادر ہیں چاہے بیماری ہو یا تکلیف ہو اور حکیم بھی افطار کی اجازت دیدے مگر یہ روزہ قضا نہیں کرتیں لیکن اسکے ساتھ روزہ

میں غیبت بھی بہت کرتی ہیں کیونکہ صبح سے دوپہر تک کچھ کام تو ہوتا نہیں بس بیٹھی ہوئی اور ادہر اُدہر کی باتیں بناتی رہتی ہیں اس لئے ان میں وہ عورتیں بہت اچھی ہیں جن کو تماکو کی عادت کی وجہ سے روزہ بہت لگتا ہے اگرچہ تماکو بُرا ہے کیونکہ وہ روزہ کو لگ کر ایک طرف کونہ میں سرڈالے پڑی رہتی ہیں اُن سے بغیر پان کھائے بات بھی نہیں ہوسکتی تو وہ ان قصوں سے غیبت شکایت سے محفوظ رہتی ہیں مگر اب جاڑوں (۱) کے روزے آرہے ہیں اس لئے جن کو روزہ بہت لگتا ہے اب ان کو بھی کم لگے گا بہرحال روزہ رکھنے کی ترغیب دینے کی اُن کو ضرورت نہیں اس کو تو عورتیں خود بہت شوق سے کرلیتی ہیں البتہ روزہ کے حقوق ادا کرنے کی میں ان کو تاکید کرتا ہوں کہ فضول اور گناہ کی باتوں میں روزہ کو برباد نہ کیا کریں بلکہ قرآن پڑھا کریں بزرگوں کی حکایات دیکھا سنا کریں اور یہ بھی نہ ہوتو ایک طرف پڑ کر سورہا کریں۔

پردہ کے اہتمام کی ضرورت

ایک بات عورتوں کے متعلق یہ کہنے کی ہے کہ یہ پردہ میں احتیاط کم کرتی ہیں جن عزیزوں سے شرعاً پردہ ہے ان کے سامنے آتی ہیں نیز کافر عورتوں سے جیسے بھنگن اور چماری وغیرہ بدن چھپانے کا اہتمام نہیں کرتیں حالانکہ شرعاً ان سے بھی پردہ ہے گوایسا پردہ نہیں جیسا مردوں سے ہوتا ہے بلکہ کافر عورتوں کے سامنے صرف منہ اور ہاتھ گٹوں تک اور پیر کھولنے کی اجازت ہے باقی سراور سر کے بال اور بازو اور کلائی اور پنڈلی وغیرہ کھولنا جائز نہیں اس کا بہت خیال کرنا چاہئے۔

ایک کوتاہی عورتیں رسوم کے بارے میں کرتی ہیں شادی وغیرہ کی رسوم میں

(۱) سردی کے روزے آرہے ہیں۔

بہت بے احتیاطی کی جاتی ہے بے پردگی کی بھی اور فضول مال ضائع کرنے کی بھی اور تفاخرو نام ونمود چاہنے کی بھی۔ یہ وہ گناہ ہیں جن میں آج کل عورتیں بہت مبتلا ہیں ان سے اچھی طرح احتیاط لازم ہے باقی جن گناہوں میں آج کل مرد مبتلا ہیں اُن سے عورتیں اکثر محفوظ ہیں مثلاً ان کی نگاہ بہت کم بہکی ہوتی ہے بلکہ اس بارے میں ان کی وہی شان ہے ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ کہ نگاہ کو اپنے شوہر تک منحصر رکھتی ہیں، جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے۔

عورتوں کو ذکر اللہ کی تاکید

اب بعض مستحبات کا بیان کرتا ہوں جن کی برکات بہت ہیں اور جن سے توجہ الی اللہ کو قوت ہوتی ہے وہ یہ کہ نماز روزہ کے ساتھ کچھ کچھ ذکر اللہ بھی کرنا چاہئے اس سے دل کو خدا تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے اور نماز میں دل لگتا ہے مگر عورتوں میں ذکر اللہ کا رواج بہت ہی کم ہے اسی لئے ان میں کوئی شیخ نہیں ہے ہاں شیخزادیاں (۱) بہت ہیں مگر شیخ بمعنی پیر کوئی نہیں ہے گو عورتوں نے کسی کسی عورت کو پیرنی کا لقب تو دے دیا ہے اگرچہ وہ شیطانیاں ہی کیوں نہ ہوں سو ایسی پیرنیوں کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی عورتوں کا تو وجود ہی (۲) مضر ہے غرض یہ کہ ضرورت شیخ کی ہے جو خدا کا راستہ بتلائیں عورتیں اپنے مردوں کے ذریعہ سے کسی شیخ کامل سے ذکر کا طریقہ پوچھ کر آپس میں اس کا رواج دیں کیونکہ ان کی طبیعتوں کو ذکر اللہ سے بہت مناسبت ہے اس لئے کہ ذکر اللہ کا اثر اُن پر زیادہ ہوتا ہے جن کے قلوب میں سکون و یکسوئی کی حالت ہو اور عورتوں کو یہ بات خاص درجہ میں حاصل ہے ان کے

---

(۱) سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، ہاشمی، جو لوگ ہیں وہ شیخزادگان کہلاتے ہیں اس نسبت سے ان ذاتوں والی عورتوں کو شیخزادیاں کہا گیا (۲) ایسی عورتیں جو بزعم خود مربّی ہوں ان کا وجود نقصان دہ ہے۔

قلوب میں تشتت وتفرق(۱) نہیں ہے اور یہ پردہ کی برکت ہے کہ عورتیں گھر کی چاردیواری میں مقید رہتی ہیں اس لئے ان کے قلوب میں یکسوئی بہت ہے مگر آج کل کے جنٹلمین اس کے دشمن ہورہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح آزاد پھرا کریں اور وہی علوم پڑھیں جو مرد پڑھتے ہیں اگر ایسا ہوگیا تو پھر عورتوں میں یہ جمعیت وسکون نہ رہے گا جو پردہ میں بیٹھ کر علوم دنیا سے بے خبر ہوکر اس وقت حاصل ہے۔

ایک دفعہ کانپور میں میرا بیان ہوا تو میں نے کہا کہ بعض لوگ آج کل عورتوں کو جغرافیہ پڑھاتے ہیں میری سمجھ میں اس کی حکمت نہیں آئی مردوں کو تو اس کی اس لئے ضرورت ہوسکتی ہے کہ وہ ضروریات معاش کے لئے ادہر اُدہر سفر کرتے ہیں تو مختلف شہروں کے حالات جاننے سے ان کو آسانی ہوگی مگر عورتوں کو جغرافیہ پڑھانے میں سوائے اس کے کہ ان کو گھر سے بھاگنے کا رستہ بتانا ہے اور کیا فائدہ ہے؟ کیونکہ اب تک عورتیں گھر میں مقید ہیں ان کو کچھ خبر نہیں کہ اپنے شہر میں کتنی گلیاں اور کتنی سڑکیں ہیں اور اسٹیشن کس طرف ہے اور یہاں سے اگر دہلی جانا چاہیں تو کس طرف کو جائیں مگر جغرافیہ پڑھ کر یہ سب باتیں ان کو معلوم ہوجائیں گی تو اب وہ نہایت سہولت سے بھاگ سکتی ہیں یہ مضمون میں نے ویسے ہی بطور عموم کے بیان کیا تھا کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہ تھا مگر اتفاق سے اس مجلس میں ایک صاحب ایسے موجود تھے جو اس مرض میں مبتلا تھے بعد بیان کے وہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے کہ جغرافیہ کے اس مفسدہ(۲) پر میری نظر نہیں گئی تھی میں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ بھی ایک علم ہے اس کے پڑھانے میں بھی کچھ حرج نہیں اس لئے میں نے اپنی بیوی کو جغرافیہ شروع کردیا تھا لیکن اب مجھے آپ کے کہنے سے اس کے مفسدہ کا علم ہوگیا ان شاء اللہ اب نہ پڑھاؤں گا۔

---

(۱) ان کے دل ادھر اُدھر بھٹکتے نہیں پھرتے لیکن یہ باپردہ عورتوں کا حال ہے (۲) اس نقصان پر۔

عورتوں کے لئے مناسب ومفید تعلیم

واقعی عورتوں کو علوم جدیدہ کی تعلیم دینا ان کو تباہ و برباد کرنا ہے بس ان کو تو قرآن شریف اور بقدرِ ضرورت مسائل دینیہ کی تعلیم دینا چاہیئے لکھنا بھی نہ سکھائیں تو اچھا ہے کیونکہ عورتوں کے لکھنے سے بعض جگہ قصے ہوگئے ہیں اور اگر لکھنا سکھایا جائے تو اس کی بہت نگہداشت رکھی جائے کہ وہ از خود کسی کو خط نہ بھیج سکیں بلکہ جہاں خط لکھیں پہلے گھر کے مردوں کو دکھلالیا کریں اور پتہ وہ خود نہ لکھیں بلکہ مرد اپنے قلم سے لکھے۔ مجھ سے ایک جنٹلمین جنٹ ملے وہ اس نکتہ کو سمجھ گئے تھے چنانچہ کہتے تھے کہ میں لڑکوں کو تو سب علوم پڑھاتا ہوں قدیم بھی اور جدید بھی مگر لڑکیوں کو قرآن وحدیث وفقہ کے سوا کچھ نہیں پڑھاتا کیونکہ ان کے اندر جو صفات حمیدہ ہیں وہ ان علوم سے محفوظ رہتی ہیں علوم جدیدہ سے ان کی حالت بگڑ جاتی ہے۔

غرض عورتوں کے اندر یہ صفتِ یکسوئی اور سکون و جمعیت کی بہت ہی اچھی ہے جو محض پردہ کی برکت سے ہے اس حالت میں اگر یہ ذکر اللہ کرنے لگیں تو بہت جلد نفع ہو اس لئے ان کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے اور دل لگا کر ذکر اللہ کرنا چاہئے اور کچھ وقت تلاوت قرآن کے لئے بھی نکالیں عورتیں قرآن کم پڑھتی ہیں حالانکہ اس سے دل بہت صاف ہوتا اور نیک کاموں کی طرف رغبت وشوق بڑھتا ہے اس کا بھی اہتمام چاہئے۔

مراقبۂ موت

اور اس کے بعد تھوڑا سا وقت موت کی یاد کے لئے مقرر کریں جس میں اپنا ایک دن مرنا اور قبر میں دفن ہونا اور دنیا سے رخصت ہونا ذہن میں مستحضر کریں اور دنیا کے کاموں میں بھی موت کا دھیان کرلیا کریں بس پھر یہ حالت ہوگی کہ آدمی

چلتا ہوا کام رکھے گا زیادہ بکھیڑا(۱) نہ بڑھائیگا یہ ہے کامل علاج حرص کا اس کو کر کے دیکھو ان شاء اللہ چند ہی روز میں حرص کم ہو جائیگی۔

ایک شبہ کا جواب

اب یہاں ایک طالب علمانہ شبہ ہے اُس کا جواب دیکر میں ختم کئے دیتا ہوں شبہ یہ ہے کہ اس حدیث سے تو زیادتِ مال کے حرص کی مذمت معلوم ہوتی ہے اور نص قرآنی سے اجازت معلوم ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (۲)

سفرِ حج میں تجارت کرنے کا حکم

آیت احکامِ حج کے متعلق ہے جاہلیت میں لوگ حج کو ایک میلہ سمجھتے تھے اس لئے حج کے زمانہ میں باہر کے لوگ تجارت کی نیت سے مکہ آیا کرتے تھے جب اسلام آیا اور مسلمانوں کو خلوص کی تعلیم دی گئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو شبہ ہوا کہ شاید سفر حج میں مال تجارت کا ساتھ لے جانا خلافِ خلوص ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس میں کچھ گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے پروردگار کا رزق جو تفسیر ہے فضل کی طلب کرو جس میں تجارت کی بحالت حج اجازت دی گئی حق تعالیٰ کی بھی کتنی بڑی رحمت ہے کہ خاص اپنے دربار کی زیارت کو آتے ہوئے بھی تجارت کی اجازت دیدی بھلا اگر تم کسی بادشاہ یا ادنی حاکم سے ملنے جاؤ اور ساتھ میں تجارتی مال بھی لے جاؤ تو اس کو یہ بات معلوم کر کے کتنا ناگوار ہوگا اس کے دل میں تمہاری اس ملاقات کی کچھ بھی وقعت نہ ہوگی بلکہ کان پکڑ کے دربار سے نکال دے گا کہ تم ہم سے ملنے نہیں آئے تھے

(۱) بہت زیادہ سامان وغیرہ جمع نہیں کریگا (۲) ''تم کو اسمیں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے'' سورۂ بقرہ: ۱۹۸۔

بلکہ سوداگری کو آئے تھے مگر حق تعالیٰ نے اجازت دیدی کہ سفر حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں یہاں تو اباحت ہی ہے مگر قواعد فقہ سے ایک صورت میں یہ تجارت مستحب بھی ہے جبکہ یہ نیت ہو کہ اس سے رقم بڑھے گی تو سفر حج میں سہولت ہوگی فقراء کی امداد کریں گے۔ رہا یہ کہ اس صورت میں خلوص ہوگا یا نہیں اس کے جواب میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو جس کی علامت یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ ہوتا جب بھی ضرور حج کو جاتا تو اس صورت میں خلوص محفوظ ہے اور ثوابِ حج بھی کم نہ ہوگا اور اگر حج اور تجارت دونوں کی نیت برابر درجہ میں ہے تو اس حالت میں تجارت جائز تو ہے مگر خلوص کم ہوگا اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حج کے ساتھ ایک فعل مباح ہی کو منضم کیا ہے (۱) فعل حرام کو تو منضم نہیں کیا اور اگر تجارت اصل مقصود ہے اور حج تابع ہے تو اس صورت میں گناہ ہوگا اور یہ شخص ریاکار ہوگا کیونکہ یہ مخلوق کو دھوکا دے رہا ہے کہ جاتا ہے تجارت کے لئے اور ظاہر کرتا ہے کہ میں حج کو جارہا ہوں۔ رہا یہ کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو تو اس صورت میں مال تجارت لے جانا افضل ہے یا نہ لے جانا افضل ہے تو اگر زادِ راہ بقدر کفایت موجود ہو تو افضل یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ لے جائے کیونکہ اس میں خلوص زیادہ ہے اور اگر زاد راہ بقدر ضرورت ہی ہے بقدر کفایت نہیں اور نیت تجارت تابع ہے تو اس نیت سے کہ سفر میں سہولت واعانت ہوگی مال تجارت لے جانا اس کے لئے موجب ثواب ہے۔

---

(۱) جائز فعل ہی کو تو ملایا ہے

شبہ کے دو جواب

اب اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اور اس آیت میں تعارض کچھ نہیں کیونکہ حدیث میں طلبِ معاش سے منع نہیں کیا گیا جو مدلول ہے آیت کا بلکہ انہماک اور زیادتِ حرص سے منع کیا گیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں طلبِ مال کی مطلقاً اجازت نہیں بلکہ اس قید سے اجازت ہے کہ وہ ابتغاء فضل کا مصداق بھی ہو(۱) اور ابتغاءِ معاش ابتغاء فضل میں اُسی وقت داخل ہوسکتا ہے جب کہ اس میں ابتغاء ورضاء بھی ہو(۲) جس کا قرینہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ابتغاء فضل کے ساتھ بعض جگہ ذکراللہ کو بھی بڑھایا ہے سورۂ جمعہ میں فرماتے ہیں: ﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (۳) تو ﴿اذْكُرُوْ اللّٰهَ﴾ کا بڑھانا بتلا رہا ہے کہ طلبِ معاش کو ابتغاء فضل جب ہی کہہ سکتے ہیں اور جو شخص طلب معاش میں ابتغاء رضا کررہا ہے وہ گناہ کا مرتکب نہیں بلکہ ثواب کا کام کررہا ہے اور حدیث میں اُس طلب کی ممانعت ہے جو حد سے متجاوز ہو خوب سمجھ لو۔

بس اب میں ختم کرتا ہوں۔

خلاصۂ وعظ

خلاصہ یہ ہوا کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حرص مال کی مذمت بیان فرمائی ہے اور حرص کے کم کرنے کی جو تدبیر غلط فہموں نے سمجھی تھی اس کی غلطی ظاہر فرمائی ہے پس لوگوں کو چاہئے کہ اس غلط تدبیر کو استعمال نہ کریں جیسے بعض

(۱) اللہ کے فضل کو تلاش کرنے کا مصداق بھی ہو (۲) معاش کو تلاش کرنا فضل کے تلاش کرنے میں اس وقت داخل ہوگا جبکہ اس میں اللہ کی رضا کو تلاش کرنا بھی شامل ہے (۳) ''اور خدا کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو'': سورۂ جمعہ: ۱۰۔

لوگ کہا کرتے ہیں کہ ذرا بیٹے کی شادی یا بیٹی کے نکاح سے فراغت کرلیں تو پھر دنیا کے دھندوں کو الگ کر کے اللہ اللہ کریں گے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس طرح کبھی یہ حرص کم نہیں ہوسکتی بلکہ اور بڑھے گی وہی حالت ہوگی جیسے خارش والا کہا کرتا ہے کہ ذرا سا کھجلالوں پھر نہ کھجلاؤں گا مگر وہ جتنا کھجلاتا ہے اتنی ہی خارش بڑھتی ہے ایسے ہی آج تو آپ ایک بیٹی کی شادی کا بہانہ کرتے ہیں کل کو نہ معلوم کتنی بیٹیاں ہوجائیں گی اور تمہاری نہ ہوں تمہاری اولاد کے ہوجائیں گی تو یہ سلسلہ تو کبھی ختم نہ ہوگا اور وہی حال ہوجائے گا ۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترکِ ایں سودا کنم　　باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم (۱)

صاحبو! اس کا علاج وہی ہے جو اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ بس اسی وقت ان دھندوں کو (۲) چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔ اور اگر توجہ الی الدنیا(۳) کم کرنے پر اس وقت قدرت نہیں اور ان تعلقات کو نہیں چھوڑ سکتے تو پھر صورت یہ ہے کہ اس سلسلہ کو بھی چلنے دو اور اس کے ساتھ دوسرا سلسلہ توجہ الی اللہ کا بھی شروع کردو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ناکامی نہ ہوگی۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین (۴)

وصلی اللہ تعالی علی سیدنا ومولانا محمّد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

(۱) ہر رات کو یہ عہد کرتا ہے کہ کل کو یہ بُری عادت ترک کرونگا پھر جب کل کا دن آتا ہے تو اسے آج شمار کرکے کل پر اس عہد کو ٹال دیتا ہے (۲) ان سب کاموں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو (۳) دنیا کی طرف توجہ (۴) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے ہم سب کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

نوٹ :

درمیان وعظ میں بارش آنے لگی تھی اسی لیے حضرت مولانا اور اکثر سامعین باہر سے مکان کے اندرونی حصہ میں آ گئے پھر ذرا بارش کم ہوئی تو حضرت مولانا گرمی کی وجہ سے پھر باہر تشریف لے آئے اس آمدورفت کی وجہ سے ذہن مشوش ہو گیا اس لئے بیان جلدی ختم فرما دیا ۱۲ ظ۔

خلیل احمد تھانوی

۱۲/ جون ۲۰۰۹ء

ہائے دنیا میں یہ کیا زیروزبر ہے اے دوست
جس طرف دیکھئے اک فتنہ وشر ہے اے دوست

اٹھ گئے دہر سے سب اہل ہنر اہل کمال
نقرئی تاج بھی زیب سرخر ہے اے دوست

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی عارف دامت برکاتہم
شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

﴿اصلِ دین﴾

محبت و تعلق مع اللہ، خدا کا خوف، خدا کا شوق دنیا سے بے رغبتی یہ اصلِ دین ہے۔ باقی کھانا کمانا دنیا ہے جو کہ غیر مقصود ہے ہاں بعض اوقات معین دین ہے اور بالعرض مقصود بھی ہو جاتی ہے لیکن بالذات مقصود نہیں۔

وعظ: النور

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ